التفسیر: مجلس تفسیر، کراچی جلد ۶، شمارہ ۱۸، ۱۹، اپریل تا ستمبر ۲۰۱۲ء

امام الحرمین الجوینی الشافعیؒ کی علمی وفکری خدمات

(مسلم مفکرین اور مستشرقین کی آراء کے تناظر میں)

ڈاکٹر فاروق حسن

Imam al-Haramayn, al Shafi (R.A) (1028 AD- 1085/419 H-478 H.) an important thinker of the Ash'ari school, philosopher, theologian and jurist remarkably contributed to Islamic theology, Usul-e Fiqh along with many other sciences which gained a lot of renown from many circles. This paper discusses the importance of his significant, research based, high quality work for the contemporary Muslim and non-Muslim scholars of the East and West. He illustrated the doctrines (Aqidah) of Islam by primary sources of Shariah and rational and logical arguments. He introduced and adapted effective and appealing methods of Islamic theology (Kalam) by which ideological borders and boundaries of Islam were protected and also removed doubts and apprehensions prevailing in the minds of people

because of philosophical interference of Mutazilis of that time. This way of interpretation of Islamic doctrines on rational grounds instead of emotional ones has become utmost necessary today, in this age of doubts. This paper discusses that some biased non-Muslims who never leave any chance to defame the madrasah system and education, also admire the system, education, intellectual and research oriented activities, and wisdom of the graduate students of madrasah Nizamiyah in Baghdad and Nishapur. They are compelled to appreciate the high quality of research in both madrasahs. The paper will also discuss some major works of other scholars on Imam al-Juwayni's books. Sometimes in order to avoid lengthy discussions in this paper, only sources of commentaries have been mentioned where details can be found in chronological order.

ابوالمعالی ملقب بہ ضیاء الدین المعروف بامام الحرمین عبدالملک بن عبداللہ بن یوسف بن عبداللہ بن یوسف بن محمد ابن حیویہ الجوینی الشافعی (۴۱۹ھ/۱۰۲۸ء)(۱۳۶) نیشا پور، ایران میں پیدا ہوئے۔ وہ فقیہ، اصولی، متکلم اور کئی علوم میں دسترس رکھتے تھے۔ اپنے والد شیخ ابو محمد عبداللہ الجوینی (متوفی ۴۳۸ھ/۱۰۴۷ء) اور قاضی حسین سے تفقہ حاصل کیا(۱) آپ کے والد نیشا پور کے **صاحب التصانیف** شافعی عالم تھے۔ ان کی تصانیف ''**الوسائل فی فروق المسائل**'' اور ''**الجمع والفرق**'' شافعی فقہ کے مسائل پر مشتمل ہیں(۲)۔ شیخ الجوینی کے چچا ابوالحسن علی بن یوسف الجوینی، المعروف بشیخ الحجاز، (متوفی ۴۶۳ھ) بڑے پائے کے صوفی تھے۔ زندگی بھر تعلیم وتعلم اور خاص طور پر حدیث کی خدمت میں لگے رہے۔ اور علم التصوف پر کتاب لکھی جس کا نام ''**کتاب السلوۃ**'' رکھا۔(۳) استاد ابوالقاسم الاسکاف الاسفرائینی سے علم

الاصول کی تعلیم حاصل کی۔

امام الجوینی تقریباً بیس سال کی عمر میں علم الکلام کے اس دبستان سے منسلک ہوئے جسے چوتھی صدی ہجری/دسویں عیسوی کے آغاز میں، سنی مکتبہ فکر کے زبردست امام، ابوالحسن الاشعری (متوفی ۳۲۴ھ) نے قائم کیا تھا یہ محمد بن عبد الوهاب بن سلام الجبائی معتزلی (متوفی ۳۰۳ھ) کے شاگرد تھے۔ امام ابوالحسن الاشعری اور الجبائی معتزلی کے کئی دلچسپ مناظروں کے احوال کتابوں میں محفوظ ہیں۔ امام اشعری نے ایک مناظرے میں الجبائی کو لاجواب کرنے کے بعد ایک علیحدہ مسلک اختیار کر لیا تھا۔ طغرل بیگ سلجوق کے وزیر عمید الملک الکندری نے جب اشاعرہ کی کھلم کھلا مخالفت کی اور منبروں سے مذمت کروائی تو امام الجوینی نیشاپور سے بغداد چلے گئے وہاں سے ۴۵۰ھ/۱۰۵۸ء میں حجاز مقدس پہنچے۔ مکہ معظمہ اور **مدینۃ المنورہ** میں چار سال تک درس دیتے رہے اسی وجہ سے ان کا امتیازی لقب امام الحرمین (**مکۃ المکرمہ** اور **مدینۃ المنورہ** کے امام) ہوگیا (۴) بعد میں دوسرے اور تیسرے سلجوقی سلطنت کے وزیر نظام الملک کے دور میں دوبارہ نیشاپور آگئے۔

نیشاپور کا علمی مقام ومرتبہ:

علامہ شبلی نعمانی (متوفی ۱۹۱۴ء) نیشاپور کے علمی تفوق کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "اس زمانے میں اگرچہ تمام ممالک اسلامیہ میں علوم وفن کے دریا بہہ رہے تھے ایک ایک شہر بلکہ ایک ایک قصبہ مدرسوں سے معمور تھا۔ بڑے شہروں میں سینکڑوں علماء موجود تھے اور ہر عالم کی درسگاہ بجائے خود ایک مدرسہ تھا لیکن ان سب میں دو شہر علم وفن کے مرکز تھے، نیشاپور، بغداد کیونکہ خراسان، فارس اور عراق کے تمام ممالک میں دو بزرگ استاد الکل تسلیم کیے جاتے تھے یعنی امام الحرمین اور علامہ ابو اسحٰق شیرازی اور یہ دونوں بزرگ انہیں دونوں شہروں میں درس دیتے تھے"(۵) جمال الدین، ابو اسحٰق ابراہیم بن علی بن یوسف بن عبد اللہ شیرازی (متوفی ۴۷۶ھ) فقہ، اصول وحدیث کے امام اور طبقات الفقہاء اور کتاب اللمع سمیت متعدد کتابوں کے مصنف تھے۔ تقریباً سب ہی سوانح نگاروں نے ان کا تذکرہ کیا ہے مثلاً حاجی خلیفہ (متوفی ۱۰۶۷ھ) (۶)، اسماعیل باشا (متوفی ۱۳۳۹ھ) (۷)، علامہ بدر الدین عینی

(متوفی ۸۵۵ھ) (۸)، علامہ عبد الرحیم الاسنوی (متوفی ۷۷۲ھ) (۹) وغیرہ

مدرسہ نظامیہ نیشاپور کا علمی مقام ومرتبہ:

علامہ شبلی نعمانی کی تحقیق کے مطابق نظامیہ نیشاپور کو دوسرے تمام مدارس پر فوقیت حاصل تھی اس بارے میں تبصرہ کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں: "اسلام میں سب سے پہلا مدرسہ جو تعمیر ہوا یہیں ہوا جس کا نام مدرسہ بیہقیہ تھا امام الحرمین (امام غزالی کے استاد) نے اسی مدرسہ میں تعلیم پائی تھی عام شہرت ہے کہ دنیائے اسلام میں سب سے پہلا مدرسہ بغداد کا نظامیہ تھا چنانچہ ابن خلکان نے بھی یہی دعویٰ کیا ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ فخر بغداد کے بجائے نیشاپور کو حاصل ہے۔ بغداد کا نظامیہ ابھی وجود میں نہیں آیا تھا کہ نیشاپور میں متعدد بڑے بڑے دار العلوم قائم ہو چکے تھے۔ ایک وہی بیہقیہ جس کا ذکر ابھی گذر چکا ہے، دوسرا سعدیہ، تیسرا نصریہ، جس کو سلطان محمود کے بھائی نصر سبکتگین نے قائم کیا تھا ان کے سوا اور بھی مدرسے تھے جن کا سرتاج نظامیہ نیشاپور تھا امام الحرمین اسی مدرسے کے مدرس تھے"۔(۱۰) جبکہ انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا کے مطابق سب سے اہم مدرسہ بغداد کا نظامیہ تھا۔ جو ۱۰۶۷ء میں قائم کیا گیا (۱۱) اور مدرسہ بغدادیہ کے کردار اور معاشرہ میں اس کے مثبت اثرات کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے: (۱۲)

"The madrasah System had other unpredictable results "

(مدرسہ [نظامیہ] نے توقعات سے بڑھ کر شاندار نتائج دیے)

مدرسہ نظامیہ، نیشاپور اور امام الجوینی کے حلقہ درس سے منسلک تلامذہ کا مقام ومرتبہ:

امام الجوینی نے مختلف علوم وفنون میں ایسے تلامذہ کی جماعت تیار کی جو اپنی مثال آپ تھی۔ مثلاً امام غزالی اور الکیا الھراسی وغیرہ حجۃ الاسلام ابو حامد محمد بن محمد بن احمد الغزالیؒ شافعی طوسی خراسانی (۴۵۰ھ-۵۰۵ھ/۱۰۵۸ء-۱۱۱۱ء) تقریباً بیس سال کی عمر میں (۴۷۰ھ/۱۰۷۷ھ) میں امام الحرمین کے حلقہ درس سے منسلک ہوئے (۱۳) وہ استاد الجوینی کے خاص شاگرد اور ان سے بیحد متاثر تھے۔ امام غزالی کی ابتدائی زمانے کی تحریروں میں یہ رنگ نمایاں نظر آتا ہے جیسے امام غزالی کی اصول فقہ پر پہلی کتاب "**المنخول**" کے طرز تحریر سے بھی یہی ظاہر ہے۔(۱۴) امام غزالی نے مختلف علوم وفنون میں گرانقدر خدمات انجام دی ہیں محمد حسن ہیتو نے امام

غزالیؒ کی 500 کتابوں کا ذکر کیا(۱۵) انصاف پسند غیر مسلم اہل علم نے امام غزالیؒ کے حالات زندگی اوران کی علمی خدمات سے متعلق جو منصفانہ اور غیر جانبدارانہ تحقیق پیش کیں ہیں ہم انہیں قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں مگر مشہور مستشرق ڈبلیو منٹگمری واٹ انسائیکلو پیڈیا بریٹا نیکا (Encyclopaedia Britannica) میں امام غزالیؒ کی علمی خدمات کے بارے میں جو شکوک وشبہات پیدا کئے ہیں ان سے اتفاق نہیں کیا جا سکتا مثلاً وہ لکھتے ہیں:

"Over 400 works are ascribed to Al-Ghazali, but the Probalbly did not write nearly so many. Frequently the same work to found with different litle in different manuscrips, but many of the numerous manuscripts have not yet been carefully examined. Several works have also been falsely ascribed to him and others are of doubtful authenticity. At least 50 genuine works extant, some relertively short." (16)

(ترجمہ: کہاجاتا ہے کہ امام غزالیؒ نے ۴۰۰ سے زائد کتابیں تحریر کیں لیکن بہت ممکن ہے کہ انہوں نے اتنی کتابیں نہ لکھی ہوں ان کا ایک ہی کام مختلف ناموں سے باربار ذکر ہوتا ہے۔ اورآج تک بھی ان کی بہت سی کتابوں کو باریک بینی سے نہیں جانچا گیا ہے۔ اور کئی کتابوں کو ان کی طرف غلط طورپر منسوب کردیا گیا ہے اورکئی کتابوں میں تحریری مواد کے قابل اعتبار ہونے میں بھی شک ظاہر کیاگیا ہے ان کی اصل کتابوں کی تعداد کم ازکم ۵۰ توہے اور ان میں سے کچھ مختصر ہیں۔) منٹگمری کی مذکورہ بالا عبارت سے امام غزالیؒ کی علمی خدمات کے بارے میں یہ باتیں عیاں ہوتی ہیں۔ انہوں نے400 کتابیں نہیں لکھی مگران میں سے کم ازکم 50 مختصر ومطول ان کی ہیں۔ایک ہی کتاب کے مختلف نام رکھے گئے ہیں۔ کتابوں کو باریک بینی سے نہیں جانچا

گیا تحریری مواد کے قابل اعتبار ہونے میں شک ہے۔ مذکورہ بالا بیان نے 350 کتابوں کے بارے میں شکوک وشبہات میں ڈال دیا۔

اسی طرح ابو الحسن عماد الدین علی بن محمد بن علی الطبری الکیاالھراسی شافعی (۴۵۰ھ-۵۰۵ھ/۱۰۵۸ء-۱۱۱۰ء) فقیہ، اصولی ومفسر بھی امام الحرمین کے تین خاص شاگردوں میں سے ایک تھے۔ مدرسہ نظامیہ میں مدرس اور دولت سلجوقیہ میں مجد الملک بن ملک سلجوق کے عہد میں قاضی رہے۔ **التعلیق فی اصول الفقہ** سمیت کئی کتابیں لکھیں امام شوکانی نے **ارشاد الفحول** میں متعدد مقامات میں ان سے نقل کیا ہے(۱۷)

امام الحرمین کی علمی وفکری خدمات میں مشرق ومغرب کے اہل علم کی دلچسپی:

امام الحرمین کی تصانیف فقہ، اصول فقہ اور علم الکلام میں ہیں مشرق ومغرب کے مسلم وغیر مسلم سب نے ان کی کتابوں سے استفادہ کیا اور ان کی کتابوں کومختلف زبانوں میں منتقل کیا۔طلبہ نے مختلف سطحوں پر ان کی کتابوں پر تحقیق کر کے شہادات حاصل کیں۔ Helmut Klopfer نے امام الجوینی کی کتاب "العقیدۃ النظامیہ" کا ۱۹۵۸ء میں جرمنی زبان میں ترجمہ کیا جو ان کے مقالے کا حصہ تھا۔

امام جوینی کی عظیم خدمات کو مستشرقین نے بھی بہت سراہا ہے۔ اور جب بھی کسی سوانح نگار یا تاریخ دان نے مدرسہ نظامیہ نیشاپور کا تذکرہ لکھا یا اشاعرہ یا سلجوق مملکت کے بارے میں کچھ تحریر کیایا امام غزالی کے حالات زندگی اوران کی خدمات کو بیان کیا تو امام الحرمین کا تذکرہ ضرور کیا۔ مثلاً دی آکسفورڈ انسائیکلوپیڈیا آف دی ماڈرن اسلامک ورلڈ کے مقالہ نگار Lynda Clarke نے امام غزالی کے اساتذہ میں سے بطورخاص امام الجوینی کا نام لیکر تذکرہ کیااور لکھا: "Al-Ghazali studied mysticism, theology, and Law with a number of teachers, including the famous Ash'ari theologian Abu al-Ma'ali al-Juwayni" (18) (امام غزالی نے تصوف، علم الکلام اور فقہ کی تعلیم بہت سے اساتذہ سے حاصل کی جن میں علم الکلام میں خاص شہرت کے حامل ابو المعالی الجوینی اشعری بھی شامل ہیں)

انسائیکلوپیڈیا آف اسلامک سویلائزیشن **اینڈریلیجن** کے مقالہ نگار Hugh Goddard امام جوینی کی علمی وفکری خدمات اور خاص طور پر ان کی " **کتاب الارشاد** " کے فلسفہ کے میدان میں اہمیت واثرات کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں: "His works especially Kitab -al- Irshad (The Book of Guidance) demonstrate a some what greater openness to philosophy than was evident in the work of earlier Ash'ari theologians such as al- Baqillani....." (19) (ان کی خدمات خاص طور سے کتاب الارشاد سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنے سے پہلے کے اشاعرہ جیسے الباقلانی وغیرہ کے مقابلے میں فلسفہ کو زیادہ اہمیت، وسعت اور قبولیت دیتے تھے)

امام الحرمین کی مؤلفات:

امام الحرمین کی مؤلفات کی تعداد چالیس سے زیادہ ہیں دکتور عبدالعظیم محمود الدیب (متوفی ۲۰۱۰ء) کی کتاب "امام الحرمین" میں ان کتابوں کی موجودگی کے بارے میں معلومات ہیں اور یہ کتاب کویت دارالقلم سے ۱۴۰۰ھ/۱۹۸۱ء میں چھپ چکی ہے۔

۱۔ اصول فقہ میں : **البرهان، الورقات، التحفه** اور **التلخيص**

۲۔ فقہ میں : **نهاية المطلب ، ومختصر النهايه**

۳۔ علم الکلام میں : **الارشاد، والشامل، والعقيدة النظاميه**

۴۔ علم الخلاف وجدل میں: **الاساليب، الكافيه، والدرة المضيّة فيما وقع فيه الخلاف بين الشافعيه والحنفية**

۵۔ تفسیر میں : **تفسير القران الكريم**

۶۔ حدیث : **الاربعون** (منتخب احادیث) **(۴۰)**

امام الحرمینؒ کی منتخب مؤلفات کا مختصر تعارف:

۱۔ الارشاد الی قواطع الادلۃ فی اصول الاعتقاد: امام الحرمین الجوینی کی "کتاب الارشاد" محمد موسیٰ اور اے عبدالحامد کی تحقیق کے ساتھ ۱۹۵۰ء میں قاہرہ سے چھپ چکی

ہے "کتاب الارشاد" کا J- Dominique Luciani نے El-Irchad فرانسیسی زبان میں ترجمہ کیا جو پیرس E.Leroux سے ۱۹۳۸ء میں شائع ہو چکا ہے۔ مستشرقین میں یہ ترجمہ مقبول ہے۔ مثلاً منٹگمری واٹ امام الجوینی کے قاری کی رہنمائی کے لیے مشورہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں: "Al- Juwayni's theological position can conveniently be studied in a French translation of a)comprehensive work called the Irshad or Right Guidance." امام الجوینی کے علم الکلام میں مقام ومرتبہ کو انکی ایک جامع کتاب الارشاد یا درست رہنمائی کے فرانسیسی ترجمہ کے مطالعہ کے ذریعے بہتر طور پر سمجھا جا سکتا ہے)

اور اس کتاب کا یونیورسٹی آف شکاگو میں فکری تاریخ دان، Dr Paul E walker نے انگریزی زبان میں ترجمہ کیا اور اس پر ڈاکٹر محمد الیس عیسیٰ نے نظر ثانی کی۔ یہ کتاب "A Guide to Conclusive Proofs for the Principles of Belife" کے نام سے Garnet Publishing UK سے 2001ء میں 372 صفحات میں چھپ چکی ہے۔ پبلشر نے ان کلمات کے ساتھ تعارف پیش کیا۔ "This work, commonly known simply as al-Irshad (The Guide), is a major classic of Islamic theology. Its author, Imam al Haramayn al Juwayni (d. 478/1085), was the leading Ash'arite (Sunni) theologian of his time but he was more famous for his many important treatises on the principles of law and for having been the teacher of the great al Ghazali. Nevertheless, his writings in the field of theology, especially the present book, represent the high point of its development in the Islamic world until then. Here the master sets out systematically what he considered the sure

proofs for the principles on any discoures about God and His attributes, about what must be said concerning Him, and how the human being should understand what is possible in respect to God") کتاب الارشاد علم الکلام میں ایک بنیادی شاہکار ہے جس کے مصنف امام الحرمین الجوینی (متوفی ۱۰۸۵ء / ۴۷۸ھ) ہیں وہ اپنے وقت کے اشعری (سنی) متکلم امام تھے۔ انہوں نے فن اصول فقہ پر کام اور امام غزالی کے استاد ہونے کی وجہ سے زیادہ شہرت پائی۔ الجوینی کی تمام کتابوں خاص طور سے کتاب الارشاد نے عصر حاضر تک جو بھی اسلامی فلسفہ میں ترقی ہوئی اس میں بہت اہم کردار ادا کیا۔ کتاب الارشاد اس بات کو بیان کرتی ہے کہ کوئی بھی مباحثہ جو اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے بارے میں ہو اس کے تعلقی و یقینی ثبوت کو کس طرح کن اصولوں کے مطابق منظم طریقے سے پیش کیا جائے اور یہ کہ کیا چیز اللہ کے لیے ممکن ہے (اور کیا محال) انسان کو ذات وصفات خداوندی کے متعلق کیا جاننا چاہیے اور کیا کہنا چاہیے)

۲۔ الشامل: ہدیۃ العارفین میں ہے کہ "الشامل فی الاصول" (۴۲) اس عبارت سے بظاہر ایسا نظر آتا ہے کہ یہ کتاب فن اصول فقہ میں ہے لیکن **البحر المحیط للامام الزرکشی**(متوفی ۷۹۴ھ) پر علمائے ازہر (مصر) نے تحقیق و تخریج کی ہے ان کے مطابق یہ کتاب "اصول الدین" میں ہے (۴۳) اور دائرہ معارف علوم اسلامیہ میں بھی اس کتاب کو علم الکلام میں شمار کیا گیا ہے۔ اور یہ لکھا ہے کہ یہ کتاب غیر مطبوعہ ہے اس کا ایک مخطوطہ (نامکمل) قاہرہ کے قومی کتب خانے میں (علم الکلام عدد ۱۲۹۰) کے تحت موجود ہے۔ یہ نسخہ خانۂ کوپرولو کے مخطوطے سے نقل کیا گیا ہے اس کا ایک اور نسخہ جس میں الجمی نے اقتباسات سے اضافہ کیا گیا ہے قاہرہ کے ڈاکٹر الخضری کے پاس ہے اور ان مخطوطات کا G.C. Anawati مطالعہ کیا ہے۔ (۴۴)

۳۔ الورقات فی اصول فقہ۔ امام الجوینی اس کتاب میں فن اصول فقہ کے چودہ اہم موضوعات کو زیر بحث لائے ہیں یعنی **اقسام الکلام، الامر، النهی، العام والخاص، المجمل والمبین، الظاهر والمئول، الافعال، الناسخ والمنسوخ، الاجماع، الاخبار،**

القیاس، الحظر والاباحة، ترتیب الادلة، المفتی، احکام المجتهدین۔ یہ کتاب متعدد بار مختلف ممالک سے چھپ چکی ہے۔ مثلاً مصر مطبعہ الجمیعہ سے ۱۳۳۲ھ میں، ریاض مکتبہ ابن خزیمہ سے ۱۴۱۲ھ میں ڈاکٹر فرید مصطفیٰ سلمان کی تقدیم و تعلیق کے ساتھ، دمشق نشر المکتبة الھاشمیہ سے متون اصولیہ فی المذاہب الاربعہ کے نام سے، جلال الدین محمد بن احمد المحلی شافعی (متوفی ۸۶۴ھ) کی شرح اور احمد بن محمد بن احمد بن عبدالغنی الدمیاطی الشافعی (متوفی ۱۱۱۷ھ) کے حاشیہ کے ساتھ قاہرہ مشترکہ مکتبہ و مطبعہ مصطفیٰ البابی الحلبی واولادہ سے ۱۳۷۴ھ۔۱۹۵۵ء میں شائع ہوئی۔

الورقات ایک مختصر مگر بہت اہم متن ہے اس کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے۔ کہ **الورقات** کا Leon Bercber نے فرانسیسی زبان میں ترجمہ کیا جو Les fondements du fiqh کے عنوان سے پیرس سے 1995ء میں شائع ہوا " **کتاب الورقات** " پر متعدد حواشی وشروح لکھے گئے اور پھر شروح کی بھی شروح لکھی گئیں۔ "**الورقات**" پر کم از کم سترہ شروح اور حواشی ضرور لکھے گئے ہیں محشی اور شارحین کی تاریخ وفات کی زمانی ترتیب کے ساتھ ان کو بیان کردیا گیا ہے۔ (۴۵) اور شرح الشروح والحواشی کی تعداد بھی کم از کم ۹ تو ضرور ہے (۴۶) اور کم از کم پانچ علماء نے الورقات کو نظم کرکے پیش کیا (۴۷)

الورقات پر مخطوطات

الورقات پر کیے گئے متعدد کام مخطوطات کی صورت میں دنیا کے مختلف ممالک کی لائبریریوں میں طباعت کے منتظر ہیں مثلاً شیخ کمال الدین محمد بن محمد بن عبدالرحمن المعروف بابن امام الکاملیہ (متوفی ۸۷۴ھ) کی شرح الورقات مخطوطہ کی صورت میں دار الکتب مصریہ میں رقم (سلیم۔اصة ل) پر موجود ہے۔ شیخ احمد بن عمر بن زکریا التلمسانی الشافعی (متوفی ۹۰۰ھ) کی غایة المرام فی شرح مقدمة الامام کا مخطوطہ بھی دار الکتب المصریہ میں رقم (۳۴۸) اصول فقہ پر موجود ہے۔ حسین بن شہاب الدین الکورانی الکیلانی کی التحقیقات شرح الورقات کا مخطوطہ ترکی کے مکتبہ احمد الثالث میں ہے اس کی نقل قاہرہ کے معہد المخطوطات پر رقم (۱۳۴۴) اصول پر موجود ہے۔ شیخ عبدالحکیم مالک نے شرح الورقات للشیخ تاج الدین عبدالرحمن بن ابراہیم الفرکاح

(متوفی ۶۹۰ھ) پر مقالہ لکھا جس پر جامعہ الملک سعود، کلیہ التربیہ قسم الدراسات الاسلامیہ نے انہیں ۱۴۱۶ھ/ ۱۴۱۷ھ میں ماسٹر کی شہادۃ عطا کی۔

(۴) **کتاب التلخیص فی اصول الفقه:** یہ کتاب ڈاکٹر عبد اللہ جولم النبلی اور شبیر احمد العمری کی تحقیق کے ساتھ تین مجلدات ۱۹۵۰ میں بیروت، دار البشائر الاسلامیہ سے چھپ چکی ہے۔
قاضی ابوبکر باقلانی (متوفی ۴۰۳ھ) نے **"التقریب والارشاد فی ترتیب طرق الاجتهاد"** تصنیف کی اور پھر انہوں نے خود ہی **"الارشاد المتوسط، الارشاد الصغیر"** کے نام سے اسکا اختصار کیا یہ اصول کے موضوع پر ایک عظیم کتاب تھی۔ کتاب الارشاد کا وہ نسخہ جو دستیاب ہے وہ چار جلدوں میں ہے بیان کیا جاتا ہے کہ اصل کتاب بارہ جلدوں میں تھی۔ امام الحرمین کی **"التلخیص"** قاضی باقلانی کی مذکورہ کتاب کا اختصار ہے۔

(۵) **البرهان:** امام الحرمین جوینی نے ارسطو کے اسلوب پر اصول فقہ میں کتاب البرھان تالیف کی ان کی منہاجیات کی بہترین صراحت کتاب **"البرهان فی اصول الفقه"** میں ملتی ہے غالباً وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اشعری کے اصول کی بنیاد پر ایک اسلوب فقہ قائم کرنے کی کوشش کی (۲۸) **ہر زمانے میں** اس کتاب کو کئی حوالوں سے بہت اہمیت اور قدر و منزلت حاصل رہی ہے جس کا اندازہ مندرجہ ذیل باتوں سے بھی لگایا جاسکتا ہے۔

۱۔ بلاشبہ تاریخ علم الاصول میں بالخصوص اور تاریخ فکر الاسلامی میں بالعموم ''**البرهان**'' کو اہم کتب میں شمار کیا گیا ہے اس میں ان اصولیین کی آراء بھی محفوظ ہوگئیں جن کی کتب ناپید ہو چکی ہیں مثلاً امام الحرمین تقریباً ہر مسئلہ میں قاضی محمد بن الطیب ابوبکر الباقلانی المالکی الاشعری (متوفی ۴۰۳ھ) کی رائے پیش کرتے ہیں ان کی یہ آراء ان کی کتب **"الارشاد و التقریب' اصول الکبیر' اصول الصغیر' المقنع فی اصول الفقه اور مسائل اصولیه** سے ماخوذ ہوتی ہیں جو ان کتابوں میں محفوظ تھیں مگر ان کتابوں میں سے کوئی کتاب ہم تک نہیں پہنچی۔ الدکتور عبدالحمید علی ابوز نید نے سراج الدین محمود بن ابی بکر الارموی (متوفی ۶۸۲ھ) کی کتاب ''**التحصیل**'' پر تحقیق کی وہ اس کے مقدمہ میں امام الباقلانی کی کتاب ''**التقریب**'' کے بارے میں امام السبکی شافعی (متوفی ۷۷۱ھ) کا قول نقل کرتے ہیں

کہ: ''**والتقریب الذی قال عنه ابن السبکی: "وهو اجل کتب الاصول، والذی بین ایدینا مختصره ویبلغ اربعة مجلدات ویحکی ان اصله کان فی اثنی عشر مجلدا**''۔ (۲۹)

اس طرح ''**البرهان**'' میں محمد بن الحسن بن فورک ابوبکر الانصاری الاصبہانی الشافعی (متوفی ۴۰۶ھ)، اصولی فقیہ، متکلم، ادیب نحوی کی آراء ان کی کتاب مجموعات سے پیش کردہ ہیں اور اشعری کی **"اجوبة المسائل البصریه"** سے اور قاضی عبدالجبار بن احمد الہمدانی معتزلی (متوفی ۴۱۵ھ) کی **العهد** اور شرح العمد سے اور ابن الجبائی المعتزلی، ابوعلی محمد بن عبدالوہاب بن سلام (متوفی ۳۰۳ھ) کی کتاب **"الابواب"** سے پیش کی گئی ہیں۔ غالب گمان کے مطابق امام شافعی کے بعد اصول فقہ میں اعتزالی مسلک کی تائید میں الجبائی نے پہلی کتاب لکھی۔ مناظر احسن گیلانی نے الانساب للسمعانی کے حوالے سے الجبائی کی کتابوں کے نام تحریر کیے اور لکھا ''افسوس ہے کہ آج یہ کتابیں عام کتب خانوں میں نہیں پائی جاتیں اور نہ اس کا پتہ چل سکتا ہے کہ ان کتابوں میں سے الجبائی نے اصول فقہ کے مسائل کا تذکرہ اپنی کس کتاب میں کیا ہے۔ (۳۰)۔ ان میں سے **"العمد"** کے علاوہ تمام کتب ناپید ہیں۔ اسی طرح اہل السنت کی اصول فقہ پر کوئی اور کتاب سوائے **اصل الاصول' رسالة الشافعی** جو طریقہ متکلمین پر تصنیف کی گئی ہو ہم تک نہیں پہنچی یہ کتاب نئے طریقہ اور نئے اسلوب پر تالیف کی گئی۔

۲۔ آٹھویں صدی ہجری کے شافعی عالم تاج الدین السبکی شافعی (متوفی ۷۷۱ھ) ماضی میں فن اصول فقہ پر لکھی گئی کتابوں کا البرھان کے منہج سے تقابل کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "**إن هذا الکتاب وضعه إمام الحرمین فی اصول الفقه علی اسلوب غریب' لم یقتد فیه باحد**" (۳۱) (بلا شبہ یہ کتاب جسے امام الحرمین نے اصول فقہ میں عجیب اسلوب پر تالیف کیا اس سے قبل کسی نے اس اسلوب پر نہیں لکھا)

۳۔ کتاب **"البرهان"** اصول فقہ کی ان چار رکن کتابوں میں سے ایک ہے جن پر کتب اصول فقہ کی عمارت قائم ہے اس علم کی معظم المؤلفات میں ان کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ ابن خلدون، عبد الرحمٰن بن محمد بن خلدون، مالکی (متوفی ۸۰۸ھ) کتب اصول فقہ میں

"البرھان" کی حیثیت کو یوں اجاگر کرتے ہیں: **"وکان من احسن ماکتب فیہ المتکلمون کتاب البرھان الامام الحرمین والمستصفی للغزالی وھما من الاشعریۃ وکتاب العھد لعبد الجبار وشرحہ المعتمد لابی الحسین البصری وھما من المعتزلۃ وکانت الاربعۃ قواعد ھذا الفن وارکانہ "**(۳۲) (متکلمین کی اصول فقہ پر عمدہ کتب میں سے یہ ہیں امام الحرمین کی **البرھان** اور الغزالی کی **المستصفی** ہیں یہ دونوں اشعری ہیں اور عبدالجبار کی کتاب "**العھد** "اور ان کی شرح" **المعتمد** "ہیں جو ابوالحسین البصری نے کی- دونوں معتزلی ہیں- چاروں کتب اس فن کے قواعد اورارکان کہلائیں)

ابن خلدون مالکی نے متاخرین متکلمین پر **البرھان فی اصول الفقہ** کے اثرات کو بیان کرتے ہوئے کہا: **"ثم لخص ھذہ الکتب الاربعۃ فحلان من المتکلمین المتاخرین وھما الامام فخر الدین بن الخطیب فی کتاب المحصول و سیف الدین الامدی فی کتاب الاحکام، واختلف طرقھما فی الفن بین التحقیق والاحتجاج' فابن الخطیب امیل الی الاستکثار من الادلۃ والاحتجاج والامدی مولع بتحقیق المذاھب و تفریع المسائل"**(۳۳) پھر متاخرین میں سے دو عظیم متکلمین نے ان چاروں کی تلخیص کی وہ امام فخر الدین بن الخطیب (الرازی) ہیں جنہوں نے "**المحصول** " تالیف کی دوسرے سیف الدین الامدی ہیں جنہوں نے کتاب" الاحکام" تالیف کی دونوں نے اس فن میں تحقیق اور دلائل کے مختلف طریقوں کو اپنایا ابن الخطیب کثرت سے ادلہ اور احتجاج لانے کی طرف جھکاؤ رکھتے ہیں جبکہ امدی مذاھب کی تحقیق اورمسائل کی تفریع کرنے میں رغبت رکھتے ہیں)

ابن خلدون کے بیان سے واضح ہے کہ امام فخر الدین رازی شافعی(متوفی ۶۰۶ھ) کی کتاب" **المحصول فی فی اصول الفقہ** "اور سیف الدین الامدی الشافعی(متوفی ۶۳۱ھ) کی کتاب" **الاحکام** " مندرجہ ذیل اصول فقہ کی چار عماد الاصول کتابوں سے کشید کرکے تیار کی گئی ہیں۔

۱۔ کتاب" **البرھان** "للامام الحرمین شافعی(متوفی ۴۷۸ھ)

۲۔ کتاب" **المستصفی** "للامام الغزالی شافعی(متوفی ۵۰۵ھ)

۳۔ کتاب" **المعتمد** "لابی الحسین البصری المعتزلی(متوفی ۴۳۶ھ)

۴۔ کتاب" **العھد** "للقاضی عبدالجبار المعتزلی(متوفی ۴۱۵ھ)

۴۔ ابن خلدون فن اصول فقہ کی ارکان اربعہ کتب کے اثرات اور مستقبل میں لکھی جانے والی مؤلفات اصولیہ کے ان پر اعتماد سے متعلق لکھتے ہیں: **"واما کتب المحصول مااختصرہ تلمیذ الامام سراج الدین الارموی فی کتاب التحصیل و تاج الدین الارموی فی کتاب الحاصل واقتطف شھاب الدین القرافی منھما مقدمات وقواعد فی کتاب صغیر سماہ التنقیحات وکذلک فعل البیضاوی فی کتاب المنھاج وعنی المبتدئون بھذین الکتابین وشرحھما کثیر من الناس- واما کتاب الاحکام للامدی وھو اکثر تحقیقا فی المسائل لخصہ ابوعمر وبن الحاجب فی کتابہ المعروف بالمختصر الکبیر ثم اختصرہ فی کتاب اخر تداولہ طلبۃ العلم و عنی اھل المشرق والمغرب بہ وبمطالعتہ وشرحہ و حصلت زبدۃ طریقۃ المتکلمین فی ھذا الفن فی ھذہ المختصرات"**(۳۴) (پھر اس کتاب" **المحصول** "کا خلاصہ امام فخر الدین کے شاگرد سراج الدین الارموی نے کتاب **"التحصیل"** میں اور تاج الدین الارموی نے کتاب "الحاصل" میں کیا بعد ازاں شہاب الدین قرافی نے ان دونوں کتابوں سے مقدمات وقواعد اخذ کئے اور ان کو ایک چھوٹی سی کتاب میں ضبط کیا جس کا نام **"تنقیحات"** رکھا اسی طرح بیضاوی نے **"المنھاج"** میں یہی طرز اختیار کیا ان دونوں کتابوں کو مقبولیت عامہ نصیب ہوئی اور لوگوں نے ان پر شرحیں ـــــ کی کتاب **"الاحکام"** جو مسائل کی تحقیق پر مشتمل تھی اس کا خلاصہ ابوعمر وبن الحاجب نے اپنی کتاب مختصر الکبیر میں کیا پھر اس کا بھی خلاصہ ایک دوسری کتاب کی شکل میں لکھا جس کو طلبہ نے بہت ہی پسند کیا اہل مشرق ومغرب نے اس کو بڑی اہمیت دی شوق و ذوق سے اس کے مطالعے ہوئے اور اچھی اچھی اس پر شرحیں لکھی گئیں)

کتاب"البرھان" کے مضامین ومتادین پر ایک طائرانہ نظر:

امام الحرمین اپنی اس کتاب کا آغاز **"مقدمات الکتاب"** سے کرتے ہیں جس میں مبادیات علم اصول فقہ بیان کرتے ہیں اور ہر اس شخص کے لئے اس منہج کی پیروی کو لازمی قرار

دیتے ہیں جو فنون علوم کے کسی فن میں گہرائی کا ارادہ رکھتا ہو وہ کہتے ہیں۔ آپ اسی نہج کی اپنی اس کتاب میں پیروی کرتے ہوئے اصول فقہ کی تعریف اس کے مصادر اور مقصود منہ کو ذکر کرتے ہیں اور پھر دیگر **مقدمات** لاتے ہیں احکام شرعیہ کی تعریف پیش کرتے ہیں۔معتزلہ کے اس شبہ پر مناقشہ کرتے ہیں جس میں انہوں نے تقبیح وتحسین اور اسکا ادراک عقلی یا شرعی ان سب کو اصول فقہ کی بحث میں شامل کر دیا پھر منعم کا شکر اور وجوب شکر پر معتزلہ سے مناقشہ کرکے ان کے مذھب کا فساد ذکر کیا کیونکہ انہوں نے حسن وقبح کا وجوب عقلی مانا ہے حسن وقبح عقل پر مبنی ہیں یا شرع پر اس بارے میں بھی معتزلہ سے اسی طرح مناقشہ کیا جس طرح منعم کے شکر کے مسئلہ میں کیا تھا۔اس کے بعد تکلیف اور اس کا معنی اور مکلف کون ہے۔اسی طرح امام الحرمین نے ایک نیا اسلوب عطا کیا کہ ابتداء ہی میں عقل کے بارے میں مقبول قول پیش کر دیا کیونکہ عقل ہی علوم کے حقائق تک رسائی کا ذریعہ ہے۔اس کے بعد علم کی سابقین سے منقول تعریفات پیش کرکے ان کا فساد بیان کیا اور پھر کہا کہ علم کی کوئی حتمی تعریف ممکن ہی نہیں۔پھر جہل، ظن، شک اور تقلید کا فرق بیان کیا۔

اور پھر ایک فصل کے تحت ان باتوں کا ذکر کرتے ہیں جن کا ادراک صرف عقل یا صرف سمع یا دونوں (عقل وسمع) کر سکتے ہیں ساتھ ہی ان میں سے ہر ایک کی انواع بیان کیں۔ آخر میں یہ مقدمات اس فصل پر ختم ہوتے ہیں:"**يشتمل على مقدار من مدارك العقول تمس الحاجة اليه في مسائل الاصول**"(۳۵) اس فصل میں واضح کیا کہ ہر معنیٰ میں عقل کا تفوق درست نہیں بلکہ بعض اشیاء کا درک اور حصہ عقل پر موقوف ہوتا ہے اور بعض کا نہیں وہ فرماتے ہیں:"**ان العقول لا تجول في كل شئي بل تقف في اشياء و تنفذ في اشياء**"امام الحرمین ان مقدمات سے فراغت پانے کے بعد کتاب کے اصل موضوعات یعنی اصول الفقہ اور اس کے ادلہ کی طرف آتے ہیں جن کی مختصر تفصیل مندرجہ ذیل ہے

اولاً: البیان: کتاب کی اس قسم میں بیان کے مسائل کو ابواب اور فصول میں پیش کیا بیان سے مراد الکتاب والسنۃ ہے اس کے بعد بیان کو عقلی اور سمعی کی طرف تقسیم کر دیا۔ "**كتاب البيان**" میں اوامر و نواہی کے مسائل، مطلق ومقید، عام و خاص کو بیان کیا۔ "**افعال الرسول**"

اور ان کے شرعی حجت ہونے پر کلام کیا۔ التاویل کے طرق بیان کیے پھر اخبار پر ایک مکمل باب باندھا جس میں خبر متواتر کی شروط اور عمل کے وجوب میں خبر واحد کے مفید ہونے اور روایت ورواۃ اور ان کی صفات، جرح و تعدیل وغیرہ پر کلام کیا۔ **ثانیاً: الاجماع:** اس میں اجماع کے وقوع کے تصور پر بحث کرتے ہوئے اس کے ممکن الوقوع ہونے کا ذکر کیا مگر کہا: "**ولكنه في زمننا ليس هين**" (۳۶) (اور لیکن وہ (اجماع) ہمارے زمانے میں آسان نہیں) وہ اجماع کی بحث میں مجمعین کی کتنی تعداد معتبر اور ان کی صفات کیسی ہونی چاہیے اور اجماع کیلئے کون سا زمانہ معتبر ہے؟ کیفیت اجماع قولی وسکوتی: اجماع کی کیفیت اور ان کے معتبر و غیر معتبر ہونے پر بحث کی اس بارے میں امام شافعی اور امام ابوحنیفہ کے اقوال پیش کئے پھر امام شافعی کے قول کو قول مختار تسلیم کیا کہ اجماع سکوتی کا کوئی اعتبار نہیں اور کہا: "**فالله لاينسب لساكت قول**"(۳۷) (بلا شبہ کسی خاموش شخص سے قول منسوب نہیں کیا جاسکتا۔) اور کس چیز پر اجماع کا انعقاد کیا جاسکتا ہے اور کس چیز پر اس کا انعقاد نہیں ہوسکتا اس بحث کے ساتھ ہی جزء اول مکمل ہوتا ہے۔

ثالثاً: القیاس: دوسرے جزء کا آغاز قیاس سے ہوتا ہے اس کو تفصیلاً تقریباً دو سو صفحات میں بیان کیا جس میں مسائل قیاس، اس کی انواع اور اس کے مراتب وغیرہ ذکر کئے۔ **رابعاً: استدلال:** استحسان اور مصالح و مرسلہ پر عمل کرنے سے متعلق مختلف آراء پیش کیں اس بارے میں تین مذاھب کا ذکر کیا یعنی اس کی نفی کرنے والے یعنی قاضی اور اصحاب متکلمین کا گروہ اور اس کے قائلین - یعنی امام مالک اور استناد بالاستدلال کو شرط کے ساتھ جائز کہنے والے یعنی امام شافعی۔ امام الحرمین نے ان تینوں آراء میں سے امام شافعی کی رائے کو مختار تسلیم کیا ہے۔ **خامساً: النسخ:** اس کے تحت "**النسخ**" کے معنی بیان کئے اس کے عقلاً شرعاً وقوع کے جواز کو ثابت کیا "**نسخ الكتاب بالسنة**" اور "**نسخ السنة بالكتاب**" دونوں کو درست تسلیم کیا یہاں امام الحرمین امام شافعی کی مخالفت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ "**نسخ الكتاب بالسنة**" ممتنع نہیں ہے۔

عبدالعظیم محمود الدیب (متوفی ۲۰۱۰ء) نے "**البرهان**" پر تحقیق کی قاہرہ، دارالانصار

سے 1980ء میں چھپ چکی ہے۔ان کی تحقیق کے مطابق یہ کتاب جو دو مجلدات پر مشتمل ہے جو شخ کے بیان پر مکمل ہوتی ہے مگر وہ نامکمل ہے۔ اور وہ اپنے اس دعویٰ کو دلائل سے ثابت کرتے ہیں مثلاً امام الحرمین نے البرھان کے خاتمہ میں **"الاجتهاد"** اور **"الفتوی"** کو اس کتاب میں شامل بتایا مگر وہ دونوں مطبوعہ کتاب میں نہیں ہے۔ امام الحرمین فرماتے ہیں: **"تم الكتاب، وقد نجز بحمد الله وحسن توفيقه الغرض من هذا المجموع في الاصول ونحن نرسم بعد ذلك، مستعين بالله تعالیٰ، كتابا جامعا في الاجتهاد و الفتوی يقع مصنفا براسه وتتمة لهذا المجموع"** اس کتاب کے نامکمل رہنے پر دوسری دلیل یہ ہے کہ امام الحرمین نے **كتاب التاويلات** کے آخر میں جو بیان فرمایا اس سے توصریحاً پتہ چلتا ہے کہ شخ کے بعد **باب الفتوی** اور **صفات المفتيين، الاستفتاء** اور **اوصاف المجتهدين** کا ذکر کیا گیا ہوگا۔ (۳۸)

المنخول جو امام الحرمین کی کتاب **البرهان** کا خلاصہ ہے اس میں احکام الاجتہاد والفتویٰ موجود ہے اور خود امام غزالی اپنی کتاب کے آخر میں فرماتے ہیں: **"هذا تمام المنخول من تعليق الاصول، بعد حذف الفضول، وتحقيق كل مسالة بما هية العقول، مع الاقلاع عن التطويل، والتزام مافيه شفاء الغليل، والاقتصار على ماذكره امام الحرمين رحمه الله في تعاليقه، من غير تبديل و تزيد في المعنى و تعليل، سوى تكلف في تهذيب كل كتاب بتقسيم فصول، وتبويب ابواب .... الخ"** اس سے بھی معلوم ہوا کہ **المنخول** کے مسائل اور ان کی ترتیب اور مشتملات کتاب برھان کی صورت پر مرتب کیے گئے **المنخول** میں "احکام الاجتہاد و الفتویٰ" کا ہونا اس بات کا واضح قرینہ ہے کہ یہ دونوں موضوعات کتاب البرھان میں شامل رہے ہوں گے اور اس کا جزء ہوں گے۔

کتاب البرھان کی شروح: اس کتاب پر متعدد حواشی وشروح لکھے گئے مثلاً علی بن اسماعیل الابیاری الصنہاجی المالکی (متوفی ۶۱۶ھ) نے شرح لکھی (۳۹) محشی اور شارحین کی تاریخ وفات کی زمانی ترتیب کے ساتھ ان کو بیان کردیا گیا ہے۔(۴۰)

امام الحرمین کی وفات پر ان کے شاگردوں اور اہل نیشاپور کے جذبات:

امام الحرمین تقریباً تیس سال تک نیشاپور کے مدرسہ نظامیہ میں درس وتدریس میں مصروف رہے (۴۱) کے بعد ۴۷۸ھ/۱۰۸۵ء میں (قمری حساب کے مطابق) تقریباً انسٹھ سال کی عمر میں انتقال فرما گئے۔شبلی نعمانی ابن خلکان (متوفی ۶۸۱ھ) کے حوالے سے نقل کرتے ہیں: ''ان کی وفات کے دن نیشاپور کے تمام بازار بند ہوگئے اور جامع مسجد کا منبر توڑ دیا گیا ان کے شاگرد جو چارسو کے قریب تھے سب نے دوات وقلم توڑڈالے اور سال بھر تک ان کے ماتم میں مصروف رہے "۔(۴۲)

خلاصہ بحث ونتائج:

امام الحرمین (**مكة المكرمه ومدينة المنوره** کے امام) کا تعلق عجمی ملک ایران کے شمال میں واقع شہر نیشاپور (موجودہ زمانہ میں صوبہ رضوی خراسان کا شہر) کے ایک علمی گھرانے سے تھا۔ ان کی چالیس کتابوں کے بارے میں پتہ چل سکا ہے۔ آپ کی تصانیف کا علمی ، فکری وتحقیقی معیار اتنا بلند تھا کہ عرب وعجم ،مشرق ومغرب کے اہل علم اب تک ان سے استفادہ کررہے ہیں۔ طلبہ نے ان کی کتب میں سے بعض پر پی ایچ ڈی سطح کے مقالے لکھ کر شہادہ بھی حاصل کیں۔ علماء نے ان کی کتابوں کی شروح لکھیں ان پر حواشی وتعلیقات لکھے۔ مستشرقین نے بھی بعض کتابوں کے جرمنی ،فرانسیسی ،انگریزی اور دوسری زبانوں میں تراجم کیے۔مستند معیاری انسائیکلوپیڈیا میں امام الحرمین پر مقالہ لکھے گئے۔ اس کے علاوہ معتزلہ پر تنقیدی کام کے حوالے سے بھی امام الجوینی پر مضامین لکھے گئے۔امام الجوینی نے اپنے والد ، اپنے زمانے کے علماء ومشائخ اور مدرسہ بیہقیہ سے تعلیم حاصل کی اور پھر تقریباً تیس برس تک مدرسہ نظامیہ نیشاپور میں درس وتدریس تصنیف وتالیف اور دین کی خدمت میں گذارے اس کے باوجود ان کی شخصیت ، تصانیف اور علوم وفنون میں خدمات اور معاشرہ کی تعمیر وترقی میں ان کی خدمات نے اتنے مثبت اور گہرے اثرات مرتب کیے کہ عصر حاضر کے غیر مسلم مفکرین بھی جو دینی مدارس کو بدنام کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے وہ بھی مدرسہ نظامیہ کی علمی ،تحقیقی وفکری سرگرمیوں اور وہاں سے فارغ التحصیل ہونے والے طلباء کی تعریف کرتے ہوئے نہیں تھکتے کیونکہ وہ ایسا کرنے پر مجبور ہیں۔ عصر حاضر میں بھی دینی مدارس نیشاپور کے علمی وتحقیقی معیار اور

معاشرہ کی ضروریات پورا کرنے والے نصاب ونظام ، ذہن وفکر کو وسعت دینے والی سرگرمیوں کی تقلید کریں تو آج کے غیر مسلم بھی دینی مدارس کے بارے میں اپنا رویہ درست کرنے پر مجبور ہوں گے۔

عصر حاضر میں امام الجوینی کے کارناموں کو بیان کرنے اور ان کے انداز فکر اور زبان وبیان کے موثر اسلوب کو اپنانے کی اہمیت زیادہ بڑھ جاتی ہے ان کے زمانہ کے معتزلہ علم الکلام کا غلط استعمال کرکے اسلامی عقائد وتعلیمات کی ایسی تعبیر وتشریح کر رہے تھے کہ جس کی وجہ سے مسلم اذہان میں شکوک وشبہات جنم لے رہے تھے تو دوسری طرف بعض متعصب غیر مسلموں کو اسلام کی تعلیمات کو مسخ کرنے کا موقع فراہم کر رہے تھے۔ امام الجوینی نے اشعری فکر کی بھرپور ترجمانی کرتے ہوئے اسلام کی نظریاتی سرحدوں کا بہترین دفاع کیا اور اسلامی عقائد وتعلیمات کی متکلمانہ وفلسفیانہ، موثر، فصیح وبلیغ انداز میں تعبیر وتشریح کے ایسے منہج کو اپنایا کہ شکوک وشبہات کا خودبخود ازالہ ہوگیا۔ آج کے زمانے میں بھی ابلاغ اور تحریر وتصنیف کے ایسے انداز کو اپنانے کی ضرورت ہے جو جذباتی ہونے کے بجائے عقلی ہو۔ امام الجوینی اپنی کتابوں میں مسائل کا بہترین انداز میں تجزیہ کرتے ہیں دوسروں کی آراء کو کھلے دل کے ساتھ بیان کرکے جس کو بہتر سمجھتے ہیں اختیار کرتے ہیں اور کبھی اپنی رائے کو ترجیح دیتے ہیں اور اس کی وجہ بھی بیان کرتے ہیں۔ امام جوینی نے اسلامی فلسفہ کی ترقی میں بھرپور کردار ادا کیا وہ فلسفیانہ مسائل میں اس انداز سے فکری بحث کرتے ہیں کہ عقل حیران رہ جاتی ہے۔ انہوں نے مسلمانوں کو اسلامی تعلیمات کی سچائی جانچنے کا ایک پیچیدہ مگر تعمیری اسلوب مہیا کیا تاکہ تعبیر وتشریح سے متعلق معاملات کو درست طریقے سے سمجھ کر ان پر عمل کیا جاسکے انہوں نے تلامذہ کی ایک ایسی جماعت بھی تیار کی جو علوم وفنون اور تحقیق کے میدانوں میں اپنی مثال آپ تھے امام الجوینی کے شاگرد امام الغزالی نے ۵۰۰ کتابیں لکھیں۔

حوالہ جات

۱۔ دائرہ معارف اسلامیہ لاہور دانش گاہ پنجاب ۱۳۹۱ھ/ ۱۹۷۱ء ج ۵ ، ص ۵۲۱

۲۔ حوالہ سابق ص ۵۲۲

۳۔ **البرهان في اصول الفقه**، امام الحرمین الجوینی متوفی ۴۷۸ھ دیکھئے تحقیقی مقدمہ دکتور عبد العظیم محمود الدیب، المنصورہ، دار الوفاء، مکتبہ امام الحرمین ۱۴۱۲ھ/ ۱۹۹۲ء ، ج ۱ ، ص ۴۵

۴۔ دائرہ معارف اسلامیہ ج ۵ ، ص ۵۲۱

۵۔ الغزالی، علامہ شبلی نعمانی، (۱۸۵۷ء/ ۱۹۱۴ء) کراچی، دار الاشاعت ۱۴۱۲ھ، ص ۱۱

۶۔ کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون، مصطفی بن عبد اللہ القسطنطنی الرومی الحنفی، ملا کاتب الجلبی، حاجی خلیفہ (متوفی ۱۰۶۷ھ) بیروت، دار الفکر ۱۴۰۲ھ/ ۱۹۸۲ء ج ۱، ص ۲۳۹ اور ج ۲، ص ۱۶۲۲

۷۔ **ھدیة العارفین في اسماء المؤلفین و آثار المصنفین**، اسماعیل پاشا بغدادی (متوفی ۱۳۳۹ھ) بیروت، دار الفکر ۱۴۰۲ھ۔ ۱۹۸۲ء، ج ۵ ، ص ۸

۸۔ **کشف القناع المرني**، بدر الدین عینی متوفی ۸۵۵ھ، جدہ جامعہ الملک عبد العزیز ۱۴۱۴ھ۔ ۱۹۹۴ء، ص ۲۹۲

۹۔ **طبقات الشافعیه**، جمال الدین، عبد الرحیم الاسنوی شافعی متوفی ۷۷۲ھ بیروت دار الکتب العلمیہ ۱۴۰۷ھ۔ ۱۹۸۷ء، ج ۲ ص ۷۔۸ (۱۶۴۲)

۱۰۔ الغزالی، علامہ شبلی نعمانی ص ۱۱

۱۱۔ Encyclopaedia Britanica, Macropaedia Chicago, Helen Hemingway Benton (1973-1974) Vol 22. p.120

۱۲۔ حوالہ سابق

۱۳۔ Al-Ghazal, The Mystic, Smith, Margaret, Lahore: Hijra Publication (1983) p.15

۱۴۔ دیکھئے تحقیقی مضمون اصول فقہ پر امام غزالی کی مشہور کتاب "**المنخول من تعلیقات الاصول**" کا تنقیدی وتحقیقی مطالعہ (مسلم مفکرین اور مستشرقین کی آراء کے تناظر میں) طارق حسن، معارف اسلامی، اسلام آباد، علامہ اقبال یونیورسٹی جولائی۔ دسمبر ۲۰۱۰ء ج ۹ ، شمارہ ۲، ص ۴۷۔۶۷

۱۵۔ المنخول من تعلیقات الاصول ، ابو حامد محمد بن محمد بن محمد الغزالی الشافعی الطوسی (۴۵۰ھ۔ ۵۰۵ھ ، ۱۰۵۸ء، ۱۱۱۱ء) دیکھئے محمد حسن ہیتو کا تحقیقی مقدمہ، دمشق ، دار الفکر طبع ثانی (۱۴۰۰ھ) ص ۴۳

۱۶۔ Encyclopaedia Britanica, Chicago, Helen Hemingway Benton (1973-1974) Vol.8 p146

۱۷۔ **ہدیۃ العارفین** ج۵ ص۶۹۲ ، کشف الظنون ج۱، ص۲۴۳ ۔ **الفتح المبین فی طبقات الاصولیین**، عبداللہ بن مصطفی المراغی، بیروت محمد امین دمج، سنہ ندارد ج۲، ص ۷۔۸

۱۸۔ The Oxford Encyclopedia of the Modern Islamic World Editor John L. Esposito New York: Oxford University Press (1995) Vol 2. p.61

۱۹۔ Encyclopedia of Islamic Civilisation and Religion, Edited by Ian Richard Netton. New York & London, Routle Dge (2008) pp. 335-336

۲۰۔ **البرہان فی اصول الفقہ**، امام الحرمین الجوینی دیکھئے تحقیق مقدمہ دکتور عبد العظیم محمود الدیب ، ص۳۲

۲۱۔ Islamic Philosophy and Theology, Montgomery Watt New Jersey: Rutgers

۲۲۔ **ہدیۃ العارفین** ج۵ ، ص۶۲۵

۲۳۔ **البحر المحیط** للامام الزرکشی (متوفی ۷۹۴ھ) دیکھئے تحقیق مقدمہ لعلماء الازہر بیروت دار الکتبی، (سنہ ندارد) ج۱ ص۷

۲۴۔ دائرہ معارف اسلامیہ ج۵، ص۵۲۱

۲۵۔ فن اصول فقہ کی تاریخ، فاروق حسن کراچی دارالاشاعت ۲۰۰۶ء، ص ۴۲۲_۴۲۶

۲۶۔ حوالہ سابق

۲۷۔ حوالہ سابق ص ۴۲۶_۴۲۷

۲۸۔ دائرہ معارف اسلامیہ ج۷ ، ص۵۲۱

۲۹۔ التحصیل من المحصول لسراج الدین محمود بن ابی بکر الارموی (متوفی ۶۸۲ھ) دیکھئے تحقیق مقدمہ عبدالحمید علی ابو زنید، موسسہ الرسالہ (۱۴۰۸ھ) ج۱ ص۱۹

۳۰۔ تدوین فقہ و اصول فقہ، سید مناظر احسن گیلانی کراچی الصدف پبلشرز ۱۴۲۹ھ ص۱۰۲

۳۱۔ **طبقات الشافعیہ الکبری**، تاج الدین ابونصر عبدالوہاب بن علی بن عبدالکافی السبکی (۷۲۷ھ ۷۷۱ھ) تحقیق عبدالفتاح محمد الحلو محمود محمد الطناحی ۱۳۸۳ھ قاہرہ دار احیاء الکتب العربیہ فیصل عیسی البابی الحلبی سنہ ندارد

۳۲۔ مقدمہ ابن خلدون عبدالرحمن بن محمد بن خلدون (۷۳۲ھ ۸۰۸ھ) بغداد، مکتبہ المثنی سنہ ندارد، ص۴۵۴

۳۳۔ حوالہ سابق

۳۴۔ حوالہ سابق ص ۴۵۴_۴۵۵

۳۵۔ **البرہان فی اصول الفقہ**، امام الحرمین الجوینی متوفی ۴۷۸ھ، مکتبہ امام الحرمین ۱۳۹۹ھ ج۱، فقرہ ۵۴ و مابعدہا

۳۶۔ حوالہ سابق فقرہ: ۲۰۰

۳۷۔ حوالہ سابق فقرہ: ۲۲۲، ۲۲۳

۳۸۔ حوالہ سابق فقرہ: ۲۲۷

۳۹۔ الدیباج، ابن فرحون مالکی (متوفی ۷۹۹ھ) بیروت دار الکتب العلمیہ ۱۴۱۷ھ ص۳۰۶

۴۰۔ فن اصول فقہ کی تاریخ ص ۴۲۲

۴۱۔ Al-Ghazal, The Mystic pp.16-17

۴۲۔ الغزالی، علامہ شبلی نعمانی، ص۱۳

التفسیر، مجلس تفسیر، کراچی جلد ۶، شمارہ ۱۸، اپریل تا ستمبر ۲۰۱۲ء

قاضی بدرالدولہ

ڈاکٹر زیبا افتخار

This article is an attempt to re-introduce and breathe life into thepersonality and works of Qazi Badar-ud-Daula.

Amongst the most eminent personalities of the eighteenth century, we find an exemplary personality in the form of Qazi Badar-ud-Daula who served his life for the preaching of Islam and for the betterment of the then deteriorating Islamic Society in the sub-continent.

He worked tirelessly to save the Islamic society from the Jewish influence that had established ground with the arrival of the English in the sub-continent. He worked not only as a jurist and an author but also assumed the position of a mufti and used to dispense valuable knowledge in religious matters. He was altruistic and noble and inculcated incessant endeavors for the revival of Islam in its true fashion. Unfortunately, history does not acknowledge

his services and additions to the Islamic literature as they deserve, because with time, research work that was done on his personality and writings seems to have disappeared due to negligence of early historians.

The extraordinary titles that were bequeathed to Qazi Badar-ud-Daula stimulated the author's interest. The aticale in consideration was an offshoot of the research work done on the historiography of Dr. Hamidullah by the author, and contains the biography, services and the list of his writings in Arabic, Persian and Urdu.

تاریخ کے اوراق پر بہت سی شخصیات کے نام کندہ ہیں۔ شہرت جن کے قدموں میں رہی اور جن کے کارنامے علمی دنیا میں آج تک زندہ ہیں لیکن بہت سی شخصیات ایسی بھی ہیں۔ جن کے نام تاریخ کے سنہری اوراق پر کندہ تو ضرور ہوئے مگر وقت کی گرد نے ان کو دھندلا دیا اور اپنے وقت کی عظیم ہستیاں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بھلا دی گئیں۔

ایسی ہی شخصیات میں سے ایک شخصیت محمد صبغۃ اللہ قاضی بدرالدولہ کی ہے۔ عشق الٰہی اور عشق رسول میں گرفتار، ایک بے غرض انسان جس نے انگریزوں کے قبضے میں آتے ہوئے معاشرہ کو یہودی اثرات سے بچانے کے لئے زندگی وقف کردی۔ شہرت ان کی منزل کبھی بھی نہ تھی۔ انہوں نے خدمت اسلام اور خدمت انسانیت کو اپنا مشن بنایا تھا اور ساری زندگی اسلامی معاشرہ کے لئے سرگرداں رہے۔ قاضی بدرالدولہ کے نام کو مکمل طور پر فراموش نہیں کیا جاسکا، آج بھی اس نام سے آشنا لوگ موجود ہیں مگر یہ مقدار قلیل ہے میرا آپ کی شخصیت سے تعارف ان دنوں ہوا۔ جب میں آپ کے پوتے اور عالم اسلام کے نامور محقق ومورخ ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی تاریخ نویسی پر اپنا مقالہ تحریر کررہی تھی۔ آپ کے علمی کارناموں سے آگاہی ہوئی۔ اصلاح معاشرہ کے لئے کی جانے والی قابل ذکر کوششوں، سیرت، حدیث اور فقہ پر نمایاں تصانیف، عہدہ قضاء اور افتاء کے روشن کارناموں اور نواب کرناٹک کی جانب سے دیئے جانے

والے پرشکوہ القابات نے مجھے آپ کی جانب متوجہ کیا، جیسے جیسے آپ کی شخصیت کا مطالعہ کیا نئے نئے پہلو ابھر کر سامنے آئے اور یہ ان کا حق تھا کہ ان کے علمی وفقہی کارناموں کو تاریخ کے دبیز پردوں سے باہر نکالا جائے۔

آپ کا اصل نام محمد صبغت اللہ تھا۔ ۵ محرم ۱۲۱۱ھ/۱۱ جولائی ۹۶ء۱۷ کو مدراس میں پیدا ہوئے۔(۱) سرکاری دفاتر اور کاغذات میں ان کے نام کے ساتھ "امام العلماء، قاضی الاسلام، قاضی الملک، منصف الدولہ، داورس خان بہادر، قاضی محکمہ عالیہ اور خادم شریعت غرا کے پرشکوہ خطابات استعمال کئے گئے ہیں۔ لیکن شہرت ان کو اپنے ابتدائی معزز لقب "بدرالدولہ" ہی سے حاصل ہوئی۔(۲)

قاضی بدرالدولہ نے جس خاندان سے آنکھ کھولی وہ جنوبی ہندوستان کا معزز اور مشہور خاندان "نوائط" تھا۔ جس کی وجہ شہرت علمی و ادبی، مذہبی اور ملی خدمات تھیں۔ اس خاندان کی وجاہت ہندوستان کے بڑے بڑے خاندانوں کی وجاہت سے کسی طرح کم نہ تھی۔ اس خاندان کی انفرادیت یہ تھی کہ انہوں نے اپنا نسب، شجرہ اور خاندانی تاریخ کو تحریری طور پر محفوظ رکھا۔(۳)

خاندان نوائط کا تعلق قریش کی قوم سے تھا اور نضر بن کنانہ پر جاکر ان کا نسب رسول اللہ ﷺ سے ملتا ہے۔(۴) پہلی صدی ہجری میں یہ خاندان مدینہ سے ہجرت کرکے جنوبی ہند پہنچا اور پھر وہیں بودوباش اختیار کرلی۔ ڈاکٹر حمید اللہ اپنے خاندانی پس منظر کے بارے میں رقم طراز ہیں کہ،

> "خاندانی تالیفوں اور ان سے زیادہ سینہ بہ سینہ روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارا خاندان حجاج بن یوسف کے زمانے میں (پہلی صدی ہجری میں) دکن پہنچا اور یہ پورے تیرہ سو سال اس نے دکن میں ہی گزارے"۔(۵)

اہل نوائط کو اول اول ہندوستان کے ہندو امراء اور حکام کی سرد مہری کا سامنا کرنا پڑا، مگر جلد ہی انہوں نے اپنی ذاتی قابلیت، لیاقت اور رواداری کی بدولت ایک مقام

حاصل کرلیا۔ نسلی اور سماجی حیثیت سے وہ دوسروں سے ممتاز تھے، علم وفضل کے لحاظ سے بھی نمایاں تھے لہٰذا بہمنی سلاطین اور پھر اس کے بعد عادل شاہی اور نظام شاہی حکمرانوں نے ان کی بڑی عزت کی اور انہیں بڑے بڑے عہدے دیئے۔ اور اس خاندان کے افراد کو اپنا وزیر اور دیوان بنایا۔(۶) اس خاندان کے مشہور ناموں میں فقیہ عطا احمد شافعی،(۷) فقیہ علی مہائمی،(۸) قاضی محمود ہاشم،(۹) امام المدرسین محمد حسین بصدر مدرسہ گاواں (۱۰) شامل ہیں۔ گویا علم دوستی اور ثقاوت وراثتا اس خاندان میں چلی آرہی تھی۔

خود آپ کے والد مولوی محمد غوث شرف الملک، دیوان ریاست کرناٹک تھے۔ آپ کو شرف الملک، شرف الدولہ اور غالب جنگ جیسے معزز القابات دیئے گئے۔ آپ کے والد نہ صرف سیاست میں اعلیٰ دماغ تھے بلکہ تصنیف وتالیف سے بھی خصوصی شغف رکھتے تھے۔ ان کے ہاتھ کی نقل کی ہوئی فلسفہ، منطق وکلام کی متعدد کتابیں، آج تک خاندانی کتب خانوں میں محفوظ ہیں۔ خود بھی تقریباً ۳۱ کتابوں اور رسالوں کے مصنف ہیں۔ قاضی صاحب کے والد کے پاس کتابوں کا بہت بڑا ذخیرہ تھا۔ جو ان کو وراثتا والد اور دادا کی جانب سے ملا تھا۔ ان کی وفات کے بعد یہ عظیم ذخیرہ ان کے دونوں بیٹوں یعنی عبدالوہاب اور قاضی بدرالدولہ کے پاس رہا۔(۱۱)

قاضی صاحب نے اپنے آپ کو چند علوم کے حصول تک محدود نہ رکھا بلکہ آپ نے تقریباً ہر علم میں طبع آزمائی کی۔ آپ کا مطالعہ بہت وسیع تھا۔ مختلف علوم وفنون کی کتابیں آپ کے زیر مطالعہ رہتی تھیں۔ جو کتاب بھی حاصل ہوجاتی تھی اسے پڑھے بغیر نہ چھوڑتے۔ اس زمانے میں کتابوں کی طباعت اور ان کا حصول اتنا آسان نہ تھا۔ زیادہ تر انحصار خاندانی یا سرکاری کتب خانے پر تھا۔ جہاں سے کافی تعداد میں کتابیں مہیا ہوجاتی تھیں۔ قاضی صاحب کتابوں کے اس حد تک شوقین تھے کہ اگر کوئی کتاب قیمتاً یا عاریتاً نہیں مل سکتی تو خود اپنے ہاتھ سے اس کی نقل تیار کرلیا کرتے تھے۔ ان کی زیادہ تر توجہ حدیث اور سیرت کی کتابوں کی طرف تھی۔ آگے چل کر انہوں نے ان دونوں پر پوری مہارت حاصل کی۔(۱۲)

۱۲۳۸ھ کو جب ان کے والد مولوی غوث شرف الملک کا انتقال ہوگیا تو نواب

وقت اعظم جاہ نے قاضی صاحب کو "عظیم نواز خان بہادر معتمد جنگ" کے معزز خطاب سے سرفراز فرمایا اور صدرالصدور مقرر کیا۔ ایک سال بعد اس عہدے کے ساتھ ساتھ افتاء کی خدمت بھی سپرد کی اور انہیں "عمدۃ العلماء بدرالدولہ" کا معزز لقب عطا کیا۔ نواب اعظم جاہ کے انتقال کے بعد ان کے چھوٹے بھائی نواب عظیم جاہ، ریاست کرناٹک کے مختار مقرر ہوئے تو انہوں نے نہ صرف قاضی بدرالدولہ کو اپنی خدمات پر بحال رکھا بلکہ ان کی دیانت داری اور نہایت احتیاط کا اعتراف بھی کیا۔ یہ اعتراف صرف زبانی نہ تھا بلکہ اپنی مہر کے ساتھ تحریری اعتراف نامہ تھا۔ ازاں بعد قاضی صاحب کو ریاست کا قاضی القضاۃ مقرر کیا گیا۔ یہ نواب غلام غوث بہادر کا دور اقتدار تھا۔ انہوں نے قاضی صاحب کو "قاضی الملک، منصف الدولہ، معدلت خان بہادر، مستعد جنگ خادم شرع شریف رسول اللہ ﷺ کے معزز خطابات سے سرفراز کیا۔ یہ القابات قاضی صاحب کو قضاء اور افتاء جیسی ذمہ دارانہ خدمات انجام دینے پر عطا کئے گئے تھے۔ لیکن قاضی صاحب کی خدمات کا اعتراف یہیں ختم نہیں ہوتا بلکہ چند مہینوں بعد "عمدۃ العلماء" کی جگہ "امام العلماء" اور "معدلت خان بہادر" کے بجائے "قاضی الاسلام داورس خان بہادر" کا خطاب دیا۔ اور ساتھ ہی حکم جاری ہوا کہ ان معزز القابات کے ساتھ ایک مہر تیار کر کے قاضی صاحب کے حوالے کی جائے۔ اس کے بعد سے تمام سرکاری دفاتر اور کاغذات میں ان کے نام کے ساتھ "امام العلماء، قاضی الاسلام، قاضی الملک، منصف الدولہ، داورس خان بہادر، مستعد جنگ، قاضی محکمہ عالیہ سرکار نواب کرناٹک، خادم شریعت غرا" لکھا جانے لگا۔(۱۳)

قاضی بدرالدولہ، نواب غلام غوث خان بہادر کے انتقال ۱۲۷۲ھ تک قاضی القضاۃ کے عہدے پر قائم رہے۔(۱۴) جبکہ انگریز ریاست پر اپنا اقتدار بڑھانے کے بعد ہی سے اس کوشش میں سرگرداں تھے کہ ریاست کے معاملات، عدالت اور افتاء ان لوگوں کے ہاتھوں میں دی جائے جو انگریزوں کے وفادار ہوں۔ ایک علیحدہ محکمہ عدالت کا قیام انگریزوں کا دیرینہ خواب تھا جو نواب غلام غوث خان بہادر کے انتقال کے بعد شرمندہ تعبیر ہوتا نظر آنے لگا۔ انگریزوں کو لامحالہ ایک مسلمان عالم کی تلاش تھی جو ان کی طرف سے قاضی القضاۃ کا عہدہ سنبھال لے اور ان کا وفادار بھی رہے۔ جبکہ قاضی بدرالدولہ انگریزوں کے سخت خلاف تھے اور

ان کے کسی کام کے نہیں تھے۔ چنانچہ قاضی بدرالدولہ کی جگہ مولوی ارتضا علی خان کو اس منصب جلیل کے لیے منتخب کرا لیا گیا۔ یوں مقدمات اور معاملات کے فیصلوں میں دوعملی شروع ہوگئی۔ عام لوگ ابھی تک اپنے مسائل لے کر قاضی بدرالدولہ ہی کے پاس آتے تھے، یہاں تک کہ ۱۲۷۳ھ کو ان کا دفتر بند کرادیا گیا۔(۱۵) اس طرح وہ ۱۲۳۹ھ سے ۱۲۷۳ھ تک تقریباً چونتیس سال مقدمات کے فیصلے کرتے رہے۔ قاضی صاحب کے یہ تمام فیصلے کتابی صورت میں جمع کر لئے گئے ہیں۔ کتاب کا نام "فیصلجات" ہے۔(۱۶) یہ کتاب نہ صرف فقہی معلومات کا بیش بہا خزانہ ہے بلکہ اس دور کے مسلمانوں کی سماجی اور اقتصادی حالات کا بھی بہترین آئینہ دار ہے۔

ریاست کی صورتحال یہ تھی کہ مفتی اور قاضی، انگریز حکمرانوں کی طرف سے مقرر کئے جانے لگے تھے اور جب سرکاری عدالتوں کا ایک مرتب اور باقاعدہ نظام بھی دھیرے دھیرے وجود میں آیا تو ان قاضیوں اور مفتیوں کی حیثیت صرف حکم شرعی کے سنانے کی حد تک محدود ہوگئی۔ دو تین سال کے بعد قانون تعزیرات ہند پاس ہوا اور مدراس، کلکتہ اور بمبئی میں انگریزوں کی طرف سے ہائی کورٹ قائم ہوگئے۔ یوں سرکاری طور پر مسلمانوں کو عہدہ قضاء اور افتاء سے بے دخل کر دیا گیا۔(۱۷)

مدراس، آرکاٹ، ویلور اور دیگر علاقوں میں عربی و فارسی کی تعلیم مشہور اساتذہ کے گھروں پر ہوتی تھی۔ جو استاد جس فن میں ماہر ہوتا تھا، طلبہ اس کے گھر پہنچ کر اس سے وہ خاص فن حاصل کرتے تھے۔ حکومت وقت کی جانب سے ایسے اساتذہ کے نام جاگیریں لکھ دی جاتی تھیں جس کی آمدنی پر وہ گزر بسر کیا کرتے تھے اور طلبہ کو مفت تعلیم دیتے تھے۔ لیکن جب نواب کرناٹک نے دیگر علاقوں کے علماء کو دعوت دی کہ وہ یہاں آکر تعلیم دیں تو ان کے لئے مسجد والا جاہی میں انتظام کیا گیا، اور ماہوار تنخواہ مقرر کی گئی۔ یوں خود بخود ایک سرکاری مدرسے کی صورت پیدا ہوگئی۔ جس کو مسجد والا جاہی کے مشہور نام مسجد کلاں (بڑی) کی مناسبت سے مدرسہ کلاں کہا جانے لگا۔ اس میں نہ صرف مسلمان طلباء بلکہ ہندو طالب علم بھی علم حاصل کرنے آتے تھے۔ قاضی صاحب نے بھی مدرسہ کلاں کے سربراہ کی حیثیت سے خدمات انجام دیں،

بعد ازاں انگریزوں کے بڑھتے ہوئے عمل دخل اور اثرات کی وجہ سے اس کی صدارت سے استعفیٰ دے دیا۔(۱۸)اب یہ بات کسی سے بھی ڈھکی چھپی نہ رہی تھی کہ ملک میں عیسائیت کا پرچار بڑی شدت سے جاری ہے۔جس کا ایک مظہر ریاستی تعلیمی نظام کا رخ جدید اور انگریزی تعلیم کی جانب پھیر دینا تھا۔پہلی کوشش میں مدرسوں کو نظر انداز کیا گیا اور خرچ کی مد میں دی جانے والی رقم روک دی جانے لگی، دوسری کوشش کے طور پر بڑے پیمانے میں جدید طرز کے مدرسے اور کتب خانے قائم ہونے لگے۔ علماء طبقہ کے نزدیک یہ مسلمانوں کے لئے ایک بڑی سازش تھی لہٰذا انہوں نے اس کی شدید مخالفت کی۔ ان میں قاضی بدرالدولہ اور ان کے بھائی مولوی عبدالوہاب پیش پیش تھے۔ قاضی صاحب نے تحریری فتویٰ جاری کیا کہ،

> "ہمارے مذہب کی رو سے اللہ تعالیٰ کے واسطے علم حاصل کرنا ہے۔ دنیا کے کار وخدمت حاصل کرنے کے واسطے علم پڑھنا ہمارے مذہب کے رو سے صحیح نہیں۔ بلکہ حرام ہے۔ دنیا حاصل کرنے کے واسطے علم کا حاصل کرنا جب حرام ٹھہرا تو اردی اور انگریزی اور منطقی علم کا حاصل کرنا بغیر مصلحت دینی ،کے حرام ہے۔ کیسے حلال ہوگا؟.....(۱۹)

علماء کی جانب سے شدید ردعمل سامنے آنے کے بعد انگریز اپنی حکمت عملی تبدیل کرنے پر مجبور ہوئے اور اس مدرسہ کی تنظیم نو کی گئی۔ اس کا نام تبدیل کرکے "مدرسہ اعظم" رکھا گیا،مجلس نظامت میں قاضی بدرالدولہ کو امیر مقرر کیا گیا،فقہ اور عقائد کی تعلیم کے لئے آپ ہی کی تحریر کردہ کتابیں مقرر کی گئیں۔ جس میں گلزار ہدایت ، ریاض الصواں اور فوائد بدریہ وغیرہ شامل تھیں۔ قاضی بدرالدولہ نے اس کا امیر بننا اس لئے منظور کیا کہ شاید اس طرح مسلمانوں کی دینی تعلیم کو محفوظ بنایا جاسکے۔ لیکن جلد ہی انہوں نے محسوس کیا کہ انگریزوں کا عمل دخل بہت زیادہ ہے اور وہ آزادانہ اس مدرسے کے لئے خدمات انجام نہیں دے سکتے۔ لہٰذا پہلے تو انہوں نے احتجاج اور تنبیہات کیں۔ مگر اس کا کچھ اثر نہ ہوا تو اس عہدے سے استعفیٰ پیش کردیا۔ مگر ایسے نظام تعلیم کا حصہ بننا پسند نہ کیا جو ان کے نزدیک حرام تھا۔

نواب صاحب اور ان کے دیگر افراد خانہ کی قرضہ جات کی ادائیگی اور ان کے

متعلق مختلف مقدمات کے فیصلوں کے لئے ایک علیحدہ کچہری استیفاء قائم کی گئی تھی، جس کے امیر مولوی عبدالوہاب تھے۔ لیکن جب وہ حج کے لئے تشریف لے گئے تو یہ عہدہ قاضی صاحب کے سپرد کیا گیا۔ نواب صاحب کا گھرانہ بے جا اصراف سے باز نہیں آتا تھا۔ قاضی صاحب نے کئی خطوط نصیحت کے لکھے، لیکن کسی نے بھی قاضی صاحب کی نصیحت پہ کان نہ دھرا تو انہوں نے اس کو بے مقصد سمجھتے ہوئے نواب صاحب کو استعفیٰ پیش کردیا۔ نواب صاحب نے یہ استعفیٰ تو منظور نہ کیا لیکن اصلاح کرانے کا وعدہ ضرور کیا۔ اور قاضی صاحب سے درخواست کی کہ وہ اس عہدے پہ برقرار رہیں۔ یوں اب قاضی بدرالدولہ عہدہ قضاوت کے ساتھ ساتھ کچہری استیفاء کی نگرانی کی خدمات بھی انجام دینے لگے۔(۲۱)

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد پورے برصغیر میں صورتحال یکسر تبدیل ہوئی تو مدراس بھی اس سے نہ بچ سکا اور یہاں کے مسلمان بھی انگریز حکمرانوں کے زیرعتاب آئے بطور خاص قاضی بدرالدولہ جو اپنے فتوؤں کی وجہ سے انگریزوں کی نگاہوں میں ہمیشہ کھٹکتے رہے تھے،اس عتاب سے نہ بچ سکے اور نواب کرناٹک کے تمام سرکاری محکموں پر قبضہ کرنے کے بعد، قاضی بدرالدولہ کو ان کے عہدوں سے فارغ کردیا گیا۔سرکاری محکمہ جات بند ہوجانے کے بعد قاضی صاحب کا زیادہ تر وقت درس وتدریس اور تصنیف و تالیف میں گزرنے لگا۔ وہ تفسیر، حدیث ،فقہ اور نحو کے بڑے ماہر تھے۔ ان کی مختلف کتابیں ان کے اس وصف پر گواہ ہیں۔ ان کی سیرت پاک ﷺ پر مشہور کتاب فوائد بدریہ (جس کے اب تک ۸ ایڈیشن شائع ہوچکے ہیں) بڑی مقبول ہوئی۔وہ طلباء کو تفسیر ، حدیث ،فقہ اور طب کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ ان کے خاندان کے اکثر افراد اور شہر مدراس کے اکثر علماء نے انہی کی شاگردی اختیار کی تھی،خود نواب غوث خان بہادر نے بھی قاضی صاحب سے حدیث کی تعلیم لی تھی (۲۲) قاضی صاحب کو طب میں بھی بڑا کمال حاصل تھا۔(۲۳) بعض اوقات درباری طبیب بھی ان کی طبی رائے کو تسلیم کرنے پر مجبور ہوجاتے تھے۔ ہیضہ اور طاعون جو اس زمانے میں وبائی صورت میں پھیل جانے والی اور بڑی جان لیوا بیماری تھی۔ قاضی صاحب ان بیماریوں کا کامیاب علاج کرتے تھے۔ مدراس کے اطباء میں وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے انگریزی دواؤں کا استعمال شروع کیا۔ خود بھی دوا سازی میں

خاصے ماہر تھے۔ وہ روزانہ مطب کیا کرتے تھے اور یہ مطب بہبود کے لیے وقف تھا۔ آپ سے بعض طلباء نے باقاعدہ طب کا علم حاصل کیا، آپ کے ایک شاگرد حکیم غیاث آگے چل کر بڑے مشہور ہوئے۔(۴۴) اسی طرح قاضی صاحب کو فن حساب میں بھی مہارت حاصل تھی۔ آپ کی ایک تصنیف 'تحفۃ الحساب'' اس کا ثبوت ہے۔(۴۵)

جنوبی ہند میں قاضی بدرالدولہ پہلے شخص ہیں جس نے اپنے زمانے کی بدعات کے خلاف آواز اٹھائی اور گلزار ہدایت کے نام سے ایک کتاب تحریر کی جس میں معاشرہ میں پھیل جانے والی برائیوں اور بدعات پر مختلف پہلوؤں سے بحث کی گئی اور ان مسائل کا حل بھی پیش کیا گیا۔ شادیوں میں غیر ضروری رسومات اور جہیز کی لعنت نے امیر وغریب سب کو زیر بار کردیا تھا۔ معاشرہ میں اپنا وقار بلند رکھنے کے لئے شادیوں کے مواقع پر سود پر رقم لینا اور پھر ساری زندگی اسی سود میں پھنسے رہنا ایک عام سی بات ہوگئی تھی۔ قاضی صاحب نے نہ صرف ان رسومات کے خلاف آواز اٹھائی بلکہ ایک ضابطہ بنایا جس پر عمل کرنا کم ازکم خاندان کے افراد کے لئے لازمی قرار دیا گیا۔ اس ضابطے کی صورت یہ تھی۔

> ''اگلے زمانے میں مسلمانوں پر بہت ثروت اور فراغت تھی، اسی لئے انہوں نے ہر کام میں اپنی شان وشوکت ظاہر کی۔ چنانچہ شادیوں میں دل کی ہوس آرزو نکالنے، اسراف کے عبث طریقے رواج دیئے۔ علاوہ ہندو کی رسمیں بھی اختیار کیں...... اب اہل اسلام پر جو ضعف طاری ہے ان رسوم کی سربراہی سخت دشوار ہے۔ اس پر بھی اسراف سے باز نہیں آتے، بلکہ اکثر لوگ ملک منقولہ اور غیر منقولہ ان امور میں ضائع کرتے ہیں اور سودی دین میں جو اس کے عمر بھر بھی ادا نہ ہوسکے، پھنس جاتے ہیں، بہت سی جوان عورتیں جن کا بٹھا رکھنا سخت ممنوع ہے ناکتخدا رہ جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہماری ملت سب سے آسان کی۔ پھر ہم کس لئے اپنے ہاتھوں اس مصیبت تختی میں پھنسے رہتے ہیں۔(۴۶)

قاضی صاحب کے اس ضابطہ حیات پر کئی علماء وقت نے اپنی اپنی مہریں ثبت

کیں۔(۴۷) قاضی صاحب کو اپنے خاندان کی حد تک بڑی کامیابی حاصل ہوئی۔ مگر عام لوگوں پر اتنا خاص اثر نہ ہوا۔ وہ دل سے تو ان اصلاحات کو سراہتے تھے۔ مگر عملی طور پر اختیار کرنے میں پس وپیش کرتے تھے۔ البتہ ہاکلی خاندان میں ایک زمانے تک اس ضابطہ پر عمل ہوتا رہا اور آج تک بعض خاندان انہی اصولوں کو اپنائے ہوئے ہیں۔(۴۸)

جب ان کی عمر ۷۰ سال سے متجاوز ہوئی تو عموماً اپنے طلبہ سے کہتے تھے کہ جلدی جلدی اپنی کتابیں پوری کرلو، کیا معلوم میں اگلے سال زندہ بھی رہوں۔ وہ اس حدیث شریف ''میری امت کی اکثر عمریں ساٹھ اور ستر کے درمیان ہوگی'' کا حوالہ دیتے تھے۔ وہ اپنا روزنامچہ اپنے ہاتھ سے لکھا کرتے تھے۔ اس کے اکثر حصے خاندان کی مختلف کتب خانوں میں محفوظ ہیں۔

۲۵ محرم ۱۲۸۰ھ/۱۳ جولائی ۱۸۶۳ء کو چار دن کی علالت کے بعد، طلوع آفتاب کے وقت اپنی جان جان آفریں کے سپرد کی۔ آپ کو مسجد والا جاہی کے صحن میں سپرد خاک کیا گیا۔ آپ کے جنازہ میں ایک جم غفیر تھا جو شریک ہوا اور سارے شہر میں غم کی لہر سی دوڑ گئی۔

آثارعلمی :

قاضی بدرالدولہ، مولانا باقر آگاہ ویلوری کی طرح عربی، فارسی اور ہندی (اردو) کے شاعر تو نہیں تھے۔ مگر بلاشبہ وہ ان تینوں زبانوں کے بہترین نثار تھے۔جنوبی ہند کی تاریخ میں آگاہ اور قاضی بدرالدولہ کو ایک ممتاز مقام حاصل ہے۔ انہوں نے ۴۳ کتابیں عربی میں، ۱۵ کتابیں فارسی میں اور ۱۴ کتابیں اردو میں لکھی ہیں۔ آپ کی اکثر تصانیف حدیث، سیر اور فقہ سے تعلق رکھتی ہیں، اور مقصد تصنیفات اشاعت اسلام کے ساتھ ساتھ، اصلاح معاشرہ کو قرار دیا جاتا ہے۔شمالی ہند میں سب سے پہلے سرسید احمد خان نے اردو نثری تصنیفات کی طرف توجہ کی مگر ان کی مستقل تصنیفات کا دور ۱۸۵۷ء کے بعد سے شروع ہوتا ہے مگر قاضی صاحب کی اردو تصنیفات کا دور غدر دہلی سے بہت پہلے شروع ہو جاتا ہے ان کی پہلی کتاب ''ریاض الصواب'' ہے جو انہوں نے ''فوائد البدریہ''(۱۲۵۵ھ/۱۸۳۹ء) سے بہت پہلے لکھی تھی۔ذیل

میں قاضی بدرالدولہ کی عربی، فارسی، اور اردو زبانوں میں تصانیف کی فہرست دی جا رہی ہے اس فہرست کی تیاری میں محمد یوسف کوکن صاحب کی کتاب خانوادہ قاضی بدرالدولہ اور خاندانی ذرائع سے مدد لی گئی ہے۔

عربی کتب:

۱۔ الطارق فی رد المارق
(قلمی نسخہ: کتب خانہ مدرسہ محمدی دیوان صاحب باغ، مدراس)
۲۔ ازالۃ الصمہ فی اختلاف الامۃ
(تاریخ اشاعت، ۱۲۱۸ھ، مدراس)
۳۔ رسالۃ فی تحقیق الصلوۃ الوسطیٰ
(قلمی نسخہ، ذاتی کتب خانہ قاضی عبید اللہ)
۴۔ رسالۃ فی صوم ستۃ شوال
(قلمی نسخہ، کتب خانہ مدرسہ محمدی دیوان صاحب باغ)
۵۔ رسالۃ فی تعلیم النساء الکتابۃ
(تاریخ اشاعت، ۱۲۷۵ھ، مدراس)
۶۔ عمدۃ الرائض فی فن الفرائض
(تاریخ اشاعت، ۱۳۳۲ھ، مدراس)
۷۔ نور العین فی المناقب الحسنین
(قلمی نسخہ، کتب خانہ امیر نواز جنگ)
۸۔ السیر المناقب (قلمی نسخہ)
۹۔ الاربعین فی معجزات سید المرسلین ﷺ
(قلمی نسخہ، کتب خانہ امیر نواز جنگ)
۱۰۔ رسالۃ فی تعیین صداق فاطمہ الزہرہ
(تاریخ اشاعت، مطبع احمدی پریس، مدراس، ت ن)
۱۱۔ رسالۃ صغریٰ فی السیر و المناقب (قلمی نسخہ)

۱۲۔ فہرست احادیث معجم الصغیر (قلمی نسخہ)
۱۳۔ معدلۃ المسالک الموطا الامام المالک
(قلمی نسخہ، کتب خانہ امیر نواز جنگ)
۱۴۔ شرح حاشیہ شرح مواقف (قلمی نسخہ)
۱۵۔ حواشی کتاب المنتقی
(تاریخ اشاعت، ۱۳۰۹ھ مطبع محبوب شاہی، حیدرآباد)
۱۶۔ حواشی صحیح مسلم
(قلمی نسخہ، خاندانی کتب خانہ)
۱۷۔ الثبت فی اسانید الاحادیث
(قلمی نسخہ، خاندانی کتب خانہ)
۱۸۔ مقفا العین لمن ابدع بالتعین
(قلمی نسخہ، کتب خانہ مدرسہ محمدی دیوان صاحب باغ)
۱۹۔ رسالۃ فی تحریم المتعۃ
(قلمی نسخہ، کتب خانہ مدرسہ محمدی دیوان صاحب باغ)
۲۰۔ رشق السہام الی من ضعف کل مسکر حرام
(قلمی نسخہ، کتب خانہ امیر نواز جنگ)
۲۱۔ رسالۃ فی تحریم الخضاب
(قلمی نسخہ، کتب خانہ امیر نواز جنگ)
۲۲۔ رسالۃ فی اثبات کفر ھتمنت رائے
(قلمی نسخہ، کتب خانہ امیر نواز جنگ)
۲۳۔ غنیۃ الحساب
(اصل مسودہ، کتب خانہ امیر نواز جنگ)
۲۴۔ مکاتیب عربی
(قلمی نسخہ، کتب خانہ مدرسہ محمدی دیوان صاحب باغ)

قاضی بدرالدولہ کے عربی زبان میں لکھے ہوئے کئی نسخے نامکمل حالت میں

ہیں ۔ یہ نامکمل نسخہ جات مختلف خاندانی کتب خانوں میں بحفاظت موجود ہیں مثلاً "شرح الکواکب الدریۂ" "شرح زواجر الارشاد" "حکایات لقمان" وغیرہ

فارسی کتب:

۱۔ نور الابصار فی سیر سید الابرار ﷺ (قلمی نسخہ، مدرسہ محمدی دیوان صاحب باغ، مدراس)
۲۔ داستان غم (۱۲۹۸ھ، مطبع انوری حاکم، مدراس)
۳۔ ترجمہ شصت و یک حدیث (۱۲۸۱ھ، مطبع مخزن الاخبار، مدراس)
۴۔ رسالہ در رد ارتضا علی خان (قلمی نسخہ: مدرسہ محمدی دیوان صاحب باغ، مدراس)
۵۔ تنبیہ الاغبیاء فی حیوۃ الانبیاء (۱۲۶۷ھ، مطبع مظہر العجائب، مدراس)
۶۔ تحفہ اعظمیہ (۱۲۸۴ھ، مطبع سید المطابع، مدراس)
۷۔ رسالہ در رویت ہلال (۱۳۱۹ھ، مطبع عزیزی مدراس)
۸۔ رسالہ در تحریم لہو (۱۳۱۸ھ، مطبع محمدی، مدراس)
۹۔ فیصلہ جات (جلد ۱ تا ۴) (قلمی نسخہ: خاندانی کتب خانہ)
۱۰۔ روزنامچہ سفر حرمین شریفین (قلمی نسخہ)
۱۱۔ رسالہ شق القمر (قلمی نسخہ: کتب خانہ امیر نواز جنگ)
۱۲۔ فتاویٰ صبغیہ (قلمی نسخہ: ذاتی کتب خانہ مولوی عبدالرحمن)
۱۳۔ مجموعہ عملیات (قلمی نسخہ، ذاتی کتب خانہ قاضی عبیداللہ)
۱۴۔ رسالہ شروط اقتدا (۱۳۱۸ھ، مطبع عزیزی، مدراس)
۱۵۔ اعظم الاجر فی صلوۃ الفجر (۱۳۰۴ھ مطبع مظہر العجائب، مدراس)

فارسی زبان میں آپ کی طرف دو کتابیں 'سراج التواریخ' اور 'جامع الاشیاء' منسوب کی جاتی ہیں ۔ لیکن یہ درست نہیں، درحقیقت یہ دونوں کتابیں آپ کی زیر نگرانی لکھی گئی تھیں۔ ایک درسی کتاب ''کتاب فقہ شافعی'' بھی لکھنا شروع کی مگر نامکمل رہی اس کا ایک قلمی نسخہ مولوی عبدالرحمن کے کتب خانے میں موجود ہے ۔

اردو کتب:

۱۔ ریاض السوان (۱۲۵۶ھ، چھٹا ایڈیشن، شمس المطابع پریس، حیدرآباد دکن)
۲۔ فوائد بدریہ (۱۲۶۳ھ، پہلا ایڈیشن، گلشن راج، مدراس ۔ اس کے بعد متعدد بار شائع ہوئی آخری ایڈیشن ۱۳۵۰ھ میں حیدرآباد سے شائع ہوا)
۳۔ ہشت گلزار فی مناقب رفیق الغار (۱۲۷۰ھ، مطبع شرفیہ، مدراس)
۴۔ نثر الجواہر فی مناقب السید عبدالقادر (۱۲۷۷ھ، حیدرآباد)
۵۔ سیف المسلمین لہدایۃ الکافرین (ت، ن)
۶۔ خزانہ معدلت (قلمی نسخہ)
۷۔ گلزار ہدایت (قلمی نسخہ، اس کتاب کے متعدد قلمی نسخے تیار کئے گئے ہیں اور خاندان کے ہر گھر میں اس کا ہونا لازمی سمجھا جاتا ہے)
۸۔ رسالہ در بیان احکام عدت و وفات (۱۲۷۷ھ، مطبع مخزن الاخبار، مدراس)
۹۔ قوت الارواح شرح توشہ فلاح (۱۳۰۰ھ، مطبع احمدی، مدراس)
۱۰۔ تفسیر فیض الکریم (۱۲۷۷ھ، جلد اول [ابتدائی چھ پاروں کی تفسیر] مطبع مظہر العجائب، مدراس)

قاضی بدرالدولہ نے سات پاروں کی تفسیر مکمل کی تھی کہ ان کا رضائے الٰہی سے انتقال ہوگیا، بعد میں ان کی اولادوں نے اس کام کا بیڑا اٹھایا، پندرہ سال کی مسلسل کاوش کے بعد ۱۳۰۶ھ کو یہ تفسیر مکمل ہوئی اس کی ضخامت سات ہزار صفحات ہیں۔

۱۱۔ فہرست النجوم (لغت نجوم و کواکب) (قلمی نسخہ، کتب خانہ امیر نواز جنگ)

تراجم:

۱۔ ترجمہ حصن حصین (قلمی نسخہ، کتب خانہ محمدی دیوان صاحب باغ)
۲۔ توشہ فلاح (ترجمہ مناسک الایضاح) (۱۲۷۵ھ، پبلشر کا نام ندارد)

حواشی وحوالہ جات

۱۔رکن، محمد یوسف، "خانوادہ قاضی بدرالدولہ" ج اول ۔ ص ۳۳۳ (دارالتصنیف، مدراس، ۱۹۶۳ء)

۲۔ایضاً، ص ۳۳۳

۳۔عبید اللہ، "ملفق قاضی محمد حبیب اللہ" ص ۱۱ (دارالتصنیف، مدراس، ت ن)

۴۔محمد باقر آگاہ، "محبوب المصریہ" بحوالہ "خانوادہ قاضی بدرالدولہ"، ج اول، ص ۱۶

۵۔محمد حمید اللہ، ڈاکٹر "ہمارا خاندان" (مشمولہ قلمی رسالہ بزم ادب ت ن)

۶۔"خانوادہ قاضی بدرالدولہ" ص ۴۳ تا ۴۵

۷۔ عطا احمد شافعی کو ہندوستان میں خاندان نوائط کا جد اعلیٰ قرار دیا جاتا ہے لیکن افسوس کہ ان کے حالات کہیں نہیں ملتے اور ان سے پہلے بھی ہندوستان آمد سے پہلے کا بھی سلسلہ نسب گم ہو چکا ہے۔ (عبید اللہ ص ۱۳)

۸۔ خاندان نوائط کے مشہور ترین بزرگ مخدوم علی مہائمی (م ۸۳۵ھ) کا شمار اولیائے دین میں ہوتا ہے مسلکاً شافعی تھے اور کئی تصانیف کے خالق ہیں۔ آپ کی تفسیر قرآن پاک نے بڑی شہرت حاصل کی۔ ان کا تذکرہ مشہور مورخ ابن بطوطہ نے کیا ہے (سفرنامہ ابن بطوطہ، مترجم رئیس احمد جعفری، نفیس اکیڈمی کراچی، ۱۹۶۲ء) مزید دیکھئے دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۱۴/۲ ص ۱۶۲ تا ۱۶۳ مادہ "علی مہائمی" (دانشگاہ پنجاب لاہور، بار اول ۱۹۸۰ء)

۹۔ قاضی محمود ہاشم (م ۱۱۷۰ھ) کا شمار مدراس کے مشہور قاضیوں میں ہوتا ہے۔ نظامت انہیں ورثے میں ملی تھی۔ درس و تدریس سے بھی وابستگی تھی۔

۱۰۔ امام مدرسین محمد حسین (م ۱۱۹۸ھ) بڑے عالم تھے، مدرسہ کلاں کے منصب صدارت پر بھی فائز رہے اور اسی فرض کی ادائیگی کے دوران آپ کا انتقال ہوا آپ کے نمایاں فضائل میں سب سے نمایاں فضیلت آپ کا ۲۷ دنوں میں قرآن پاک حفظ کر لینا ہے، کئی کتابوں اور رسالوں کے مصنف بھی ہیں۔

۱۱۔ خانوادہ قاضی بدرالدولہ، ص ۱۲۶ تا ۱۸۱

۱۲۔ احمد عطا اللہ، "ممتاز عالم دین ڈاکٹر محمد حمید اللہ" مشمولہ "ڈاکٹر محمد حمید اللہ" مرتبہ محمد راشد شیخ، ص ۴۱ (فیصل آباد، ۲۰۰۳ء)

۱۳۔ خانوادہ قاضی بدرالدولہ، ص ۳۳۱ تا ۳۳۴

۱۴۔ ایضاً

۱۵۔ ایضاً ۳۳۶

۱۶۔ قاضی صاحب کی یہ تصنیف چار ضخیم جلدوں میں ہے، اس کے کئی قلمی نسخے تیار کئے گئے ہیں اور مختلف کتب خانوں میں موجود ہیں۔

۱۷۔ محمد حمید اللہ، ڈاکٹر "ہمارا خاندان"

۱۸۔ خانوادہ قاضی بدرالدولہ، ص ۳۳۵

۱۹۔ ایضاً

۲۰۔ محمد حمید اللہ، ڈاکٹر "ہمارا خاندان"

۲۱۔ خانوادہ قاضی بدرالدولہ، ص ۳۳۲

۲۲۔ ایضاً، ص ۳۳۵

۲۳۔ "ملفق قاضی محمد حبیب اللہ"، ص ۱۷

۲۴۔ ایضاً

۲۵۔ خانوادہ قاضی بدرالدولہ، ص ۲۶۰

۲۶۔ بدرالدولہ، قاضی، "نگار ہدایت" مقدمہ (قلمی نسخہ، خاندانی کتب خانہ کراچی)

۲۷۔ خانوادہ قاضی بدرالدولہ، ۳۶۴

۲۸۔ خاندانی ذرائع

۲۹۔ خانوادہ قاضی بدرالدولہ، ۳۳۴

التفسیر، مجلسِ تفسیر، کراچی جلد ۶، شمارہ ۱۸، اپریل تا ستمبر ۲۰۱۲ء

حیاتِ سر سید

ڈاکٹر طاہر مسعود

Sir Syed Ahmed Khan was one of the greatest leaders who pulled the Muslims of the subcontinent out of the sordid depths to which they had fallen on political, social, educational, journalistic, linguistic, religious fronts. In a nutshell, Sir Syed made the Muslims aware of how negative influences in the name of tradition and culture had been self-inflicted by the community. He had no role model to follow, but he presented himself as a leader with the vision and competence required to rescue a nation on decline. Pakistan, without a doubt, is a result of Sir Syed's struggle in those dark years. Had it not been for him, latter-day Muslim leaders from the Quaid-e-Azam and Allama Iqbal right down to Maulana Zafar Ali Khan would have found their path

littered with potholes, it was Sir Syed who had paved the way for them. Born in Dilli, Sir Syed grew up basically under the care of his mother. After the death of his father, he joined the East India Company and saved the lives of several Englishmen in the wake of the 1857 War of Independence which was a watershed event in the life of Sir Syed who worked hard remove misunderstandings of the Masters towards their Muslim subjects. To enlighten the Muslims, he established several institutions and organizations as well as started magazine and a newspaper to enrich them with modern civilizations. And, of course, he established a college that later became the almost mythological Aligarh University, in recognition of these services, he was awarded the Sitara-e-Hind, while the University of Edinburgh conferred Doctor of Law (LLD). For his religious inclination, Sir Syed had to face accusations of being "Christaan" "Naturee" and even an atheist. In his final years, he also had to suffer from domestic worries that played heavy on his nerves. He died a somewhat dejected man on March 27, 1898.

۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں ناکامی کے بعد مسلمانوں پر جو تباہی و بربادی آئی تھی، اس کے بعد اس بات کا عشرِ عشیر بھی امکان نہ تھا کہ مسلمانانِ برِعظیم میں دوبارہ سر اٹھا کے چلنے کے قابل ہو سکیں گے۔ یہ سر سید احمد خاں تھے جن کے ہاتھوں مسلمانوں کی نشاۃ الثانیہ کی تحریک

کا آغاز ہوا۔ وہ انتہائی بالغ نظر، دور بیں اور مستقبل شناس انسان تھے۔ مسلمانوں کی زندگی کا شاید ہی کوئی ایسا پہلو ہو جس کی اصلاح کی انہوں نے کوشش نہ کی ہو۔ مسلمانوں کی سیاست و معاشرت، رسم و رواج، تہذیب و تمدن، علم و ادب، تعلیم و صحافت، زبان و مذہب، غرض کوئی شعبۂ زندگی ایسا نہیں جس پر انہوں نے اپنی فکر و عمل کے اثرات مرتب نہ کیے ہوں۔ وہ بے حد تخلیقی ذہن کے مالک تھے۔ ان کے سامنے پبلک لیڈرشپ کا کوئی نمونہ نہ تھا؎، لیکن انہوں نے بدلتے ہوئے حالات و ضروریات کے مطابق خود کو ڈھال کر ایک ایسے لیڈر کے طور پر خود کو پیش کیا جو بجا طور پر ایک زوال آمادہ قوم کی رہنمائی کی صلاحیت رکھتا تھا۔ انہوں نے مسلمانوں کے منتشر اور ٹکڑیوں میں بٹے ہوئے ریوڑ کو نہ صرف تہذیب و شائستگی اور تعلیم و تمدن سے آراستہ کیا بلکہ انہیں ایک قوم بنایا۔ انہوں نے مسلمانانِ ہند کو قرونِ وسطیٰ سے نکال کر عہد جدید میں داخل کر دیا؎، ان کی پس ماندگی کو دور کر کے انہیں ترقی کی شاہراہ پر گامزن کیا۔

آج کا پاکستان سر سید احمد خاں ہی کی جد و جہد کا ثمر ہے اور یہ بھی سچ ہے کہ اگر وہ میدانِ عمل میں نہ کودتے تو قائد اعظم محمد علی جناح، علامہ اقبال، مولانا محمد علی جوہر، مولانا ابو الکلام آزاد، حسرت موہانی اور مولانا ظفر علی خاں جیسے رہنماؤں کے ابھرنے کا راستہ ہموار نہ ہوتا۔ سر سید نے جو کنواں کھودا تھا اس سے مسلمانوں کے ہر طبقے نے اپنی پیاس بجھائی۔ انہوں نے جو بیج بویا تھا، آج اسی کے درخت کا پھل ہم سب کھا رہے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ ان کی احسان مندی اور شکر گزاری کے جو تقاضے تھے وہ ہم سے پورے نہ ہوئے اور آج بھی ایک طبقہ ان کا اسی طرح نکتہ چیں ہے جیسا ان کی زندگی میں تھا۔ اس کے باوجود بہ قول ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی:

"دنیا انہیں بہت عرصے تک ایک مورخ کی حیثیت سے جس نے متون کی تہذیب و ترتیب اور آثار کی تحقیق و تفتیش کی، ایک مصنف کی حیثیت سے جس نے اردو نثر کو تصنع کی زنجیروں سے آزاد کیا اور اس میں صاف و شفاف پانی کی طرح قدرتی روانی پیدا کی، ایک مذہبی مفکر کی حیثیت سے جس نے اسلام کی ایسی تفسیر کی بنیاد ڈالی جو عہد حاضر کے ذہن

کیلئے موزوں ہے، ایک ماہر تعلیم کی حیثیت سے جو اپنی ملت کی تعلیمی ضروریات کے متعلق صفائی سے سوچ سکتا تھا، ایک سماجی مصلح کی حیثیت سے، ایک پُر جوش انسان دوست کی حیثیت سے اور انصاف و صداقت کے لیے ایک بے خوف نبرد آزما کی حیثیت سے یاد رکھے گی۔"؎

حالاتِ زندگی:

سر سید نے ۱۷ اکتوبر ۱۸۱۷ء کو دہلی کے ایک متوسط گھرانے میں آنکھ کھولی۔ وہ باپ کی طرف سے حسینی سید ہیں۔ اور ان کا سلسلہ نسب ۳۸ واسطوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے۔ جس زمانے میں بنی فاطمہ کے سادات خاندانوں کا بنی امیہ اور بنی عباس کے ظلم و ستم کے سبب عرب اور عراق میں رہنا مشکل بنا دیا گیا تھا، اسی دور پُر آشوب میں سر سید کے آباؤ اجداد نے ایران کے قدیم شہر اصفہان کی طرف ہجرت کی تھی اور بالآخر ہرات میں آباد ہو گئے تھے۔ ان کے بزرگ ہندوستان میں غالباً پہلی بار مغل بادشاہ شاہ جہاں کے عہد حکومت میں آئے تھے، اور تب سے اکبر شاہ ثانی کے زمانے تک سر سید کے خاندان کا دربار مغلیہ سے تعلق رہا تھا؎، اور مختلف وقتوں میں ان کے بزرگوں کو دربار سے خطاب بھی ملتے رہے تھے۔ سر سید کا خاندان شعر و ادب سے بھی علاقہ رکھتا تھا۔ ان کے دادا سید ہادی فارسی میں شعر کہتے تھے۔ ان کے ہاتھ کا لکھا ہوا پورا دیوان سر سید کے پاس محفوظ تھا، جو جنگ آزادی میں تلف ہو گیا۔ سید ہادی کے بیٹے اور سر سید کے والد میر متقی درویش صفت انسان تھے۔ گو ان کا اثر و رسوخ دربار میں بھی تھا لیکن انہیں دنیاوی معاملات سے دلچسپی برائے نام تھی۔ وہ آزادی اور بے فکری سے زندگی گزارنے کے قائل تھے جس کی وجہ سے سر سید کی تربیت و تعلیم کی ساری ذمہ داری ان کی دور اندیش اور سلیقہ مند والدہ پر آ پڑی تھی۔ ان کی والدہ بھی ایک اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔ ان کے والد یعنی سر سید کے نانا خواجہ فرید الدین نہایت لائق، دانش مند اور صاحب علم و فضل تھے۔ ریاضی میں انہیں کمال حاصل تھا۔ اور اس بارے میں انہوں نے چھوٹے رسالے بھی تصنیف کیے تھے۔ خواجہ فرید الدین کو گورنر جنرل لارڈ ولزلی نے ایران میں سفارت کاری کے لیے بھی بھیجا تھا۔ دوسری طرف مغل بادشاہ اکبر شاہ ثانی کا بھی خطاب دے کر عہدۂ

وزارت پہ مامور کیا تھا۔ ؎۵ سرسید کی والدہ خواجہ فرید کی تینوں بیٹیوں میں سب سے بڑی تھیں۔ اولاد کی تربیت کا انہیں ملکہ حاصل تھا۔

سرسید کی تعلیم وتربیت:

سرسید کی تربیت کس کڑی نگرانی میں ہوئی تھی اس کا اندازہ اس واقعے سے لگایا جا سکتا ہے، جب انہوں نے نوعمری میں ایک بوڑھے ملازم کو تھپڑ مار دیا تھا اور ان کی والدہ نے غضب ناک ہو کر انہیں گھر سے نکال دیا تھا۔ اور اس وقت تک معاف نہیں کیا تھا جب تک انہوں نے بوڑھے ملازم سے اپنی تقصیر کی معافی نہیں طلب کر لی تھی۔ ؎۶ سرسید کی تربیت کا یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہا جب سرسید برسر روزگار ہو گئے تھے۔ ☆

سرسید کے والد میر متقی دلی کے صوفی بزرگ اور مرزا مظہر جان جاناں کے خلیفہ شاہ غلام علیؒ اور والدہ شاہ عبد العزیزؒ سے بیعت تھیں۔ (سرسید کا نام احمد اور ان کے بڑے بھائی کا نام محمد شاہ غلام علی نے رکھا تھا۔) والدہ بہت صحیح العقیدہ خاتون تھیں۔ وہ کوئی ایسا عقیدہ نہیں رکھتی تھیں جس پر شرک یا بدعت کا اطلاق ہو سکے۔

سرسید کی ایک بہن صفیۃ النسا بیگم اور ایک بھائی سید محمد خاں تھے۔ بہن نے تو نوے سال کی عمر پائی لیکن بھائی کا عین جوانی میں انتقال ہو گیا۔ سرسید کو ان سے بہت محبت اور لگاؤ تھا۔ بلکہ دلی میں دونوں بھائیوں کی الفت و محبت کی مثالیں دی جاتی تھیں۔ سرسید اپنے خاندان کے اکثر بچوں کے مقابلے میں نہایت تندرست و توانا تھے۔ جب وہ پیدا ہوئے تھے تو ان کے نانا خواجہ فرید الدین نے انہیں دیکھ کر یہ تبصرہ کیا کہ "یہ تو ہمارے گھر جاٹ پیدا ہوا ہے۔" حالی لکھتے ہیں: "سرسید میں جسمانی صحت کے سوا کوئی ایسی بات نہ تھی جس سے انہیں دوسرے بچوں پہ فوقیت دی جا سکے۔ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنے قوائے ذہنیہ کو محض دماغی ریاضت اور لگاتار غور و فکر سے بتدریج ترقی دی تھی اور اس لیے ان کی لائف کا آغاز معمولی آدمیوں کی زندگی سے کچھ چندار معلوم نہیں ہوتا۔ لیکن جس قدر آگے بڑھتے جائیے، اسی قدر اس میں زیادہ عظمت پیدا ہوتی جاتی ہے۔" ؎۷

سرسید کو ان کے خاندان کی قدیم ملازمہ مسماۃ مان بی بی نے پالا تھا۔ اس لیے ان کو

مان بی بی سے بہت انسیت تھی۔ وہ پانچ برس کے تھے جب ان کا انتقال ہوا۔ ان کی موت کا سرسید کو بہت صدمہ ہوا۔ والدہ نے سمجھایا کہ وہ خدا کے پاس گئی ہے۔ بہت اچھے مکان میں رہتی ہے۔ بہت سے نوکر چاکر اس کی خدمت کرتے ہیں۔ تم کچھ رنج مت کرو۔ سرسید کہتے ہیں کہ مجھ کو پورا یقین تھا کہ واقعتاً ایسا ہی ہے۔ مان بی بی نے مرتے ہوئے اپنا سارا زیور سرسید کے نام کر دیا تھا۔ ایک دن والدہ نے سرسید سے پوچھا کہ کہو تو یہ گہنا مان بی بی کے پاس بھیج دوں اور پھر ان کا جواب اثبات میں پا کر سارے گہنے خیرات کر دیے۔ ؎۸

بچپن میں سرسید پر کھیلنے کودنے پر نہ بہت پابندی تھی اور نہ اتنی آزادی کہ جس کے ساتھ چاہیں کھیلتے کودتے پھریں۔ چونکہ ان کے خاندان میں چودہ پندرہ بچے رشتہ داروں کے پہلے سے موجود تھے، جو ان کے ہم عمر تھے اور جو کھیلنے کودنے کے لیے کافی تھے۔ اس لیے ان کو نوکروں کے بچوں اور شرفاء کے آوارہ لڑکوں کے ساتھ کھیلنے کا کبھی موقع نہیں ملا۔ گھر کے بڑوں کی ہدایت تھی کہ کوئی کھیل چھپا کر مت کھیلو۔ اس لیے سب بڑوں کے سامنے ہی کھیلتے تھے۔ سرسید کا بیان تھا: "باوجود اس قدر آزادی کے بچپن میں مجھے باہر جانے کی اجازت نہ تھی۔" ؎۹ اسی پابندی کی وجہ سے سرسید کو بری صحبت میں اٹھنے بیٹھنے یا آوارہ گھومنے پھرنے کا موقع نہیں ملا۔ سرسید اپنے بچپن میں بہت مستعد، چالاک اور شوخ بھی تھے۔ ان کی شرارتوں کے دو ایک واقعات حالی نے "حیات جاوید" میں درج کیے ہیں۔ وہ بچپن میں اکثر گیند، بلا، کبڈی، آنکھ مچولی، چیل چلو وغیرہ کھیلتے تھے۔ ذرا بڑے ہوئے تو والد سے تیراکی اور تیر اندازی سیکھی۔

مقدس دینی شخصیات کی عظمت کا خیال سرسید کے دل میں بچپن ہی سے بٹھایا گیا تھا۔ والد صاحب میر متقی انہیں اکثر اپنے ساتھ لے کر شاہ غلام علیؒ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ سرسید لکھتے ہیں:

> "آپ کی (شاہ غلام علیؒ کی) میرے خاندان پر اس قدر شفقت و محبت تھی کہ میرے والد ماجد کو اپنے فرزند سے کم نہیں سمجھتے تھے..... میں ہر روز آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا اور آپ شفقت و محبت سے مجھ کو اپنے پاس مصلے پر بٹھا لیتے اور نہایت شفقت فرماتے۔ لڑکپن میں کچھ